بسم الله الرحمن الرحيم

Azadi Ki talash

آزادی کی تلاش

کشمیر کی جدوجہد

منزل
بمنزل

Muhammad Faruq Rahmani

محمد فاروق رحمانی

چیئرمین جموں وکشمیر پیپلز لیگ

DS
485
.K27
R32
1994

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

کتاب	آزادی کی تلاش
مصنف	محمد فاروق رحمانی
ناشر	افلاک پبلی کیشنز سری نگر / مظفر آباد / راولپنڈی
طابع	ایشیاء پرنٹنگ ماسٹر راولپنڈی
تعداد	دو ہزار
طبع اول	نومبر 1982ء
طبع دوم	جنوری 1994ء
قیمت	150 روپے
	10 ڈالر

پتہ

پوسٹ بکس نمبر 39 جی پی او مظفر آباد آزاد جموں و کشمیر فون - 058-4005

پوسٹ بکس نمبر 1839 اسلام آباد پاکستان

انتساب

شہید عبدالخالق گنائی (کمانڈر جمال افغانی) چیف کمانڈر جموں و کشمیر جہاد فورس کے نام، جن کو قابض بھارتی فوجیوں نے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء، کپواڑہ کے ایک تعزیب خانے میں اذیتیں دے کر شہید کیا۔ شہید کمانڈر حسن سیرت اور اخلاق کا مجسمہ تھے۔ وہ آزادی وطن اور اسلام کی سربلندی کے لئے زندہ رہے اور شہید ہو گئے۔ مجاہدین آزادی ان کی یاد سے درس عزیمت اور محبت لیتے رہیں گے۔

یہ خون جو ہے مظلوموں کا ضائع تو نہ جائے گا لیکن!!
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں!

فاروق لکھ رہے ہو تم اہل وفا کا نام!!
ہے جن کا ان حروف کی صورت میں بڑا کام

نوٹ!

پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت نو کے موقعہ پر میں وادی گل پوش کے ان دو شہیدوں کو نہیں بھول سکتا جو "آزادی کی تلاش" کے ساتھ وابستہ رہے۔ شہید غلام نبی مہاجن کشمیر کے کہنہ مشق کاتب تھے۔ وہ کئی ویکلی اور ڈیلی اخبارات کے ساتھ وابستہ رہے۔ اور انہوں نے میری کئی کتابوں' آزادی کی تلاش' شیخ عبداللہ کے نقوش اور کشمیر میں زلزلے کی کتابت کی تھی۔ اس کے علاوہ موصوف نے میری ایک اور غیر مطبوعہ کتاب "کیا اقبال اور قائد اعظم سیکولر تھے؟" کی کتابت بھی کی تھی۔ وہ ایک سچے مسلمان اور حریت پسند کشمیری تھے۔ جنہوں نے نامساعد حالات میں دیانت داری کے ساتھ "آزادی کی تلاش" کی کتابت کی۔ ۱۹۹۲ء میں ایک کریک ڈاؤن کے اور سرچ آپریشن کے دوران وہ اپنے گھر واقعہ سکہ ڈافر صفا کرل سے کسی دوسرے مکان میں پناہ لینے کے لئے نکلے۔ تو فوجیوں نے انہیں دیکھتے ہی گولیوں کا نشانہ بنا دیا اور وہ موقعہ پر ہی شہید ہو گئے۔ سرینگر میں عام لوگوں اور اخبار نویسوں نے ان کا ماتم منایا۔ اس سے ایک سال پہلے ان کا ایک اکلوتا فرزند بھی فوج کی گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوا تھا۔ دوسرا نام شہید الطاف احمد ملک کا ہے۔ شہید موصوف نے "آزادی کی تلاش" کے پہلے اڈیشن کے سرورق کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔ موصوف سرینگر ٹی۔ وی سنٹر کے چیف گرافک آرٹسٹ تھے اور جہاد آزادی کے جذبات سے ان کا سینہ ہمیشہ معمور رہتا تھا۔ نوجوان الطاف احمد ملک اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ایک ٹریفک حادثے میں شہید ہو گئے۔ وہ نوشہرہ سرینگر کے رہنے والے تھے۔ خدا ان کے درجات کو بلند کرے اور ہمارے مصیبت زدہ بھائیوں پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے۔ آمین!

فہرست

-1	مقدمہ مولف (طبع اول)	15
-2	مقدمہ مولف (طبع ثانی)	25
-3	بعنامہ امرتسر اور آغاز جدوجہد	56
-4	تقسیم ہند اور کشمیر کا سوال	59
-5	بھارت کے ساتھ الحاق اور مسلح افواج کی آمد	64
	الحاق ایک ہندو دانشور کی نظر میں	65
-6	رائے شماری کا وعدہ	68
	اقوام متحدہ کی قراردادیں	69
	اقوام متحدہ کا کمیشن	72
	سرینگر میں کمیشن کی دریافتیں	72
	فوجی افسروں سے کمیشن کی ملاقاتیں	75
	جنگ بندی	75
	آئین ساز اسمبلی پر ردعمل	76
-7	معاہدہ دہلی 1952ء	78
	عبداللہ آزاد مراسلت	83
	نیشنل کانفرنس کی آٹھ رکنی کمیٹی کا فیصلہ	83
	پولیٹکل کانفرنس کا قیام	86
-8	شیخ عبداللہ کی معزولی	88
	علی نہرو معاہدہ	89
	محاذ رائے شماری کا قیام	89
	شیخ عبداللہ کشمیر سازش کیس میں	92

-9	**شیخ عبداللہ کا ایک بیان**	94
-10	**درگاہ حضرت بل میں عہد**	96
	ریفرنڈیم اور رائے شماری کا فرق	97
-	**وائٹ پیپر کی اشاعت**	98
-11	**شیخ عبداللہ 1968ء سے 1971ء تک**	101
	سٹیٹ پیپلز کنونشن اور محاذ رائے شماری	104
-12	**موی مقدس کی ایجی ٹیشن**	107
	بھارت کی حقیقی تشویش	109
	مجلس عمل میں پھوٹ	110
	دہلی شیخ مذاکرات	111
	شیخ عبداللہ پاکستان میں	114
	وزیراعظم نہرو کی وفات	115
-13	**کشمیر میں ہند مخالف شعلے اور تحریکیں**	118
	ہند پاک جنگ کے شعلے	118
	خود مختاری چاہنے والوں سے جھڑپ	121
	محاذ کے گروہ کی گرفتاری	122
	توہین قرآن کا سانحہ	122
	ہندو دوشیزہ کا قبول اسلام	123
	سانحہ مسجد اقصیٰ اور کشمیر	123
	اسلامیہ کالج پر حملہ اور میری گرفتاری	125
	سوپور کے دفتروں پر پاکستانی جھنڈا	126
	1947ء کے آزاد کشمیر کے مہاجرین	127
	الفتح پر پولیس کا چھاپہ	128

	کشمیری نوجوانوں کی ہائی جیکنگ	129
	کشمیر یونیورسٹی پر چھاپہ	129
	جموں و کشمیر بنک کی لنگیٹ شاخ پر چھاپہ	130
	کشمیریوں کی دوسری ہائی جیکنگ	131
-14	**اسٹیٹ پیپلز کنونشن سے انتخابات تک**	133
	پارلیمنٹ انتخابات میں شرکت	135
-15	**نیاباب نئے اوراق**	138
	شیخ قاسم تعلقات اور بلدیاتی انتخابات	140
	الحاق کی تائید میں بیانات	141
	پاکستانی صحافی کا شیخ عبداللہ سے سوال؟	142
	پہلگام میں اندرا شیخ ملاقات	143
	شیخ عبداللہ پر مادی احسانات	143
-16	**بک آف نالج پر زنانہ کالج کی ایجی ٹیشن**	144
	پولیس اور عوام میں تشدد	144
	بیگ فاروق جلسہ	145
	زنانہ کالج کے نام پر شورش	146
-17	**وزیراعظم پاکستان کا اعلان**	148
	شہید گنج کا حادثہ	149
	انجینئرنگ کالج کا احتجاج	149
	جموں کا جوابی حملہ	150
-18	عبداللہ کی یورش	151
-19	**محاذ رائے شماری کا سالانہ کنونشن**	157
	برطانیہ کے آزاد کشمیریوں کی آمد	157

محاذ کا کنونشن 158
میرپوریوں کی خود فریبی 159
-20 ردعمل 161
پاکستان کا بیان 161
جلسے اور جوابی جلسے 161
مظاہرے اور گرفتاریاں 163
گاندربل میں مولانا مسعودی پر ہوٹنگ 164
معاہدے کا اشارہ 165
پاکستان سے مذاکرات کا وعدہ 166
اسلام آباد میں طلباء کے مظاہرے 166
عوام سے رائے لی جائے گی 166
مرزا بیگ کا الہام 167
پریس کلب آف انڈیا سے خطاب 167
-21 معاہدہ ہو گیا 171
خودمختار کشمیر پر ڈاکٹر فاروق کے خیالات 173
-22 عوامی انقلابی محاذ 175
-23 پیپلز لیگ کا قیام 178
-24 معاہدہ دہلی کی توثیق 181
وزیراعظم بھٹو کی کال 183
مختلف پارٹیوں کے تاثرات 184
تصفیہ کی توثیق 185
-25 نوجوان بلہ کی شہادت 187
-26 پارلیمنٹ میں اعلان 189

شیخ عبداللہ کا نیا عہدہ 194
-27 تاریخی ہڑتال 196
-28 شیخ عبداللہ کی سواری 200
-29 1975ء کے چند واقعات 202
گاندربل اور دیوسر میں الیکشن 202
ایمرجنسی اور گرفتاریاں 202
نیشنل کانفرنس کا احیاء نو 203
جامع مسجد میں ڈاکٹر آدم ملک 204
کانگرس اور نیشنل کانفرنس کی محاذ آرائی 205
-30 پارلیمنٹ کے انتخابات 208
حزب اختلاف کو متحد کرنے کی ناکام کوشش 208
نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے اسباب 211
-31 کشمیر اسمبلی کے انتخابات 213
شیخ عبداللہ کی آمد 214
سری نگر میں جنتا پارٹی کا یونٹ 214
شیخ عبداللہ کی علالت 217
دو زبردست ریلیاں 220
شہر میں تصادم 220
کانفرنسیوں کا جشن فتح 222
نیشنل کانفرنس کی کامیابی 222
-32 شیخ عبداللہ الیکشن کے بعد 224
نئی کشمیر اسمبلی میں کشمیر کا سوال 224
آزاد کشمیر پر وزیراعلیٰ کے خیالات 225

	مرکز کو وزیراعلیٰ کا مراسلہ	226
	پنچایتی انتخابات	229
-33	**پبلک سیفٹی آرڈیننس**	230
	جموں میں احتجاج	232
-34	**ہند پاک مذاکرات**	233
-35	**امریکہ عبداللہ خفیہ مذاکرات**	235
	راک فیلر اور شیخ عبداللہ	235
-36	**شملہ مذاکرات اور سمجھوتہ**	238
-37	**بھٹو لہر اور سانحہ کشمیر**	243
	سپریم کورٹ کے خلاف مظاہرے	244
	پھانسی اور کشمیر	244
	اسباب و عوامل	247
	قدیم تاریخی سبب	248
	کمیونسٹوں کا رول	252
	سیاسی سبب	253
	پاکستانیت اور شخصیت پرستی	255
	سماج دشمن عناصر کی شرکت	256
	ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ غفلت	256
	پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف نعرے	257
-38	**محمد مقبول بٹ کے حق میں مظاہرے**	261
-39	**سری نگر کا المیہ**	263
	حادثہ اور لوٹ مار	263
	ہڑتال اور مظاہرے	265

	ٹریبونل کا فیصلہ	267
	اثرات	268
-40	**سری نگر میں اسلامی کانفرنس کا حشر**	270
	چھاپے اور گرفتاریاں	272
	تعذیب خانہ کوٹھی باغ	274
	کرمنل جیل کٹھوعہ	276
-41	**تحریک شراب بندی**	279
	اسلام آباد میں شراب مخالف لہر	280
	بانڈی پورہ میں پولیس کا حملہ	284
	ضلع بارہمولہ میں گرفتاریاں	285
-42	**مسجد اقصیٰ کی توہین**	287
	مسجد عمر میں فائرنگ	287
	اسلام آباد میں تشدد	289
	بانڈی پورہ میں ہلڑ بازی	290
-43	**تحریک آزادی میں جمود کیوں؟**	292
	شخصیت پرستی	295
	نوجوانوں کی طالع آزمائی اور مہم جوئی	297
	آزادی کا صحیح مفہوم	298
	خفیہ ایجنسیاں اور بھارتی جماعتیں	300
-44	**مسئلہ کشمیر کے آخری حل کا مطالبہ کیوں؟**	302
	برصغیر اور اقوام متحدہ کے مفادات	302
	عالم اسلام سے علیحدگی	303
	غیر یقینی صورت حال	306

45-	حق خودارادیت کی جدوجہد میں ہمارے فرائض	310
	مسجدوں کا استعمال	314
	اقوام عالم سے چند باتیں	317
	ہمارا یقین	318
46-	ببلیوگرافی	320

مقدمہ مولف طبع اول

بہ گلزار محبت آشیاں بستم تماشا کن
چمن بر آتش و من تکیہ بریک مشت خس دارم
نہ دار آخرت نے دار دنیا در نظر دارم
ز عشقت کار چوں منصور با دار دگردارم

(غنی کاشمیری)

لوگوں کی اکثریت شعلہ بار مقرروں کی تلاش میں رہتی ہے۔ وہ اکثر گرم گرم جذبات و خیالات کو عقل و تدبر کی امامت پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس لئے مصلحین اور اعتدال پسند رہنماؤں کے مقابلے میں گرم گرفتار اور انتہا پسند رہنما عوام میں جلد از جلد اپنا پاؤں جما لیتے ہیں۔ جذبات کو اپیل کرنے والی سیاسی قیادتیں جلد مقبول عام بن جاتی ہیں اور فہم فراست کا واسطہ دینے والے اصلاح پسند قائدین بعد میں تسلیم کئے جاتے ہیں۔ عوام کے رسم و رواج کی تقلید کرنے والے لیڈر لوگوں میں نجات دہندوں کے مقام پر بٹھائے جاتے ہیں۔ اور ان ہی رسموں اور گمراہیوں کو للکارنے والے مسترد کئے جاتے ہیں۔ اس لئے سیاسی انقلابات پہلے رونما ہوتے ہیں۔ اور علمی وسماجی تحریکوں کا ثمر تاخیر سے حاصل ہوتا ہے۔ چالاک سیاست کار لوگوں کے دل ونظر کو اپنی گرم گفتاری سے ماؤف کرکے کھینچ لیتے ہیں وہ زندگی کی سنجیدہ حقیقتوں اور مفید نتائج پیدا کرنے والی تحریکوں کی طرف رہبری کرنے والی آوازوں کو اپنے شوروغل میں تحلیل کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگوں کو یہ فرصت ہی نہیں دی جاتی کہ وہ ان کی بسیار گوئی اور چرب زبانی سے فراغت حاصل کرکے' ان سے یہ سوال کریں کہ آخر تمہاری منزل کیا ہے اور نصب العین کیا ؟ آخر کار منزل اوجھل ہو جاتی ہے' اور اس کی تلاش کا شعور مٹ جاتا ہے۔ کیونکہ لیڈر کی تمام تر تگ و تاز کا واحد مقصد اس کی اپنی شخصیت کا اثر و نفوذ ہوتا ہے' جس کے لئے وہ مصنوعیت اور ظاہری داری کے تمام جامے زیب تن کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ فہم و فراست کے سہارے چلائی جانے والی

تحریکیں شعور اور عقل کی پختگی اور تربیت کی طالب ہوتی ہیں۔ جن کے لئے جگر سوزی، غور و فکر، مطالعہ کی گہرائی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بے لگام سیاست کاروں کے لئے خشک گھاس پھونس کا ایک ڈھیر اور ایک چنگاری کافی ہے۔ اس قبیل کے لیڈر آگ بھڑکا تو سکتے ہیں، لیکن اسے بجھانے کا سلیقہ اور حوصلہ نہیں رکھتے اسلام دونوں کا ایک حسین امتزاج تیار کرکے عالم انسانیت کی قیادت کا انوکھا عزم اور دعویٰ کرتا ہے، وہ قلب وروح اور دماغ و عقل کو ایمان و ایقان کے نور سے روشن کر دیتا ہے جس کا کامل ترین نمونہ پیغمبرانہ سیرت ہوتی ہے۔ جو امت مسلمہ کی شریانوں میں ہمیشہ جوہر زندگی کا رتبہ رکھتی ہے۔ اسی جوہر سے عناصر خیر فروغ پا کر غلبہ حق میں معاونت کرتے ہیں اور عزیمت کے شعلے بلند کرکے، باطل اور اس کے عناصر کو خاکستر کر دیتے ہیں قرآن کو اہل ایمان کی اسی صفت پر فخر ہے۔

محمد رسول اللہ ط والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

" محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں۔"

اقبال اسی کی ترجمانی یوں کرتے ہیں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ان مسلمان اقوام پر افسوس ہے جنہوں نے قرآن کے بلیغ و لطیف احکامات اور صاحب قرآن کی توضیحات و تشریحات کی موجودگی میں اپنی تقدیر کھوٹے سیاست کاروں اور واعظوں کے سپرد کر دی ہے جو اسلام کو ایک مکمل طرز حیات تسلیم نہیں کرتے، لیکن مسلمانوں کی سادہ لوحی کے باعث منبر و محراب پر اپنا تسلط جما کر مذہبی، سیاسی اور قومی گمراہیوں اور غداریوں کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ اس قماش کے سیاسی لیڈر جمعہ کے اجتماعات سے خاص فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجدوں میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ہفتہ وار اجتماع عمل میں آتا ہے۔ اجتماع جمعہ کے لئے کسی منادی، ڈھنڈورے یا اشتہار کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ لوگ جوق درجوق مسجدوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، اس لئے کہ قرآن حکیم کا یہ حکم صلائے عام کا درجہ رکھتا ہے۔

یایھا الذین امنوا ذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و

ذروا البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ○

" اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی طرف چل پڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو"۔

مسجد کشمیر کے لیڈروں کے لئے سب سے زیادہ محفوظ مقام تھا۔ جب انہوں نے اس صدی کی تیسری دہائی میں عوام کے شہری، قومی اور مذہبی حقوق کے مطالبات کئے۔ یہ لیڈر مساجد میں آئے۔ منبروں پر چڑھے اور عوام میں متعارف ہو گئے۔ ان ہی مسجدوں کے طفیل وہ عوام میں ہر دل عزیز ہو گئے اور دھواں دھار تقریروں کے ذریعے مستحکم ہو گئے۔ لیکن ان کی سیاسی پالیسیوں سے خود اسلام کا انقلابی نظریہ مجروح ہو گیا، اور مسجدیں ان کے ہاتھوں میں بے بس ہو گئیں۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ اب ان کا اپنا اثر و نفوذ گہرا ہو گیا ہے، وہ خود طاقتور ہیں، اور مسجد اور مسلمان دونوں کمزور ہو گئے ہیں اور سادہ لوح لوگ یونانی دیوتاؤں اور ہندو دیو مالاؤں کی طرح ان کی پوجا کر رہے ہیں تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ چنانچہ انہوں نے دین و وطن کے خلاف فریب پر فریب آزمانا شروع کئے ادھر سلائے اور پلائے گئے عوام ان کے ایک ایک فریب پر تحسین و مرحبا کے نعرے بلند کرنے کے عادی ہو گئے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب انہوں نے آزادی اور حق خود ارادیت کے مسلمہ نظریات کی خود ساختہ تاویل نکالی، اسلام کو ایک خول میں بند کر دیا، اور نیشنلزم سوشلزم اور سیکولر ازم کے ملاپ سے ایک جدید مذہب تثلیث اختراع کر دیا گیا۔ اس طرح ہم اپنی منزل سے بھٹکائے گئے۔ ہمارا رخ کہیں اور موڑ دیا گیا۔ اور ہم سفر میں کھو کر اس شعر کی تصویر بن گئے۔

شب کو دیکھا تھا خواب آزادی
صبح جاگے تو پھر وہی زندان

آزادی اور حق خود ارادیت سے منہ موڑ کر کشمیر کے لیڈروں نے نہ صرف اپنے ایمان و ضمیر کے ساتھ دھوکہ کیا۔ بلکہ ملک کی نوجوان نسل کو بھی اپنی تضاد بیانیوں اور ریا کاریوں سے پریشان حال و پریشان خیال کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے بچے اپنی تاریخ، تحریک اور جدوجہد کو بھول رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے طالب علم بھی اپنے گھر کے اس سوال پر روشنی نہیں ڈال سکیں گے۔ جو

برسوں سے تیسری دنیا کا سنگین سوال ہے۔ اور کسی بھی وقت خرمن امن کو پھر سے خاکستر کرسکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کبھی کبھی جوش و جنون میں آکر ہمارے نوجوان مسئلہ کشمیر پر شورو غوغا بھی برپا کرتے ہیں۔ لیکن جب تک اس سارے جوش و جذبے کو شعور، فکر، علم اور نظریئے اور ایمان راسخ کے زیورات سے آراستہ نہیں کیا جاتا، ہماری قوم بار بار بھٹکتی اور قلا بازیاں کھاتی رہے گی۔ اور میدان سیاست کے طالع آزما اور شعبدہ باز اسے نئی نئی گمراہیوں اور غداریوں کے اندھیرے میں پھینکتے رہیں گے

افسوس ہے کہ بعض سیاست کاروں کی طرح مذہبی واعظ اور مولوی بھی ہمارے معروف وطنی نصب العین کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تاریک خیال اصحاب ہماری قومی تحریک کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبروں میں خدا کشمیر اور آزادی کے بارے میں سوالات نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ بقول ان کے خدا تعالیٰ کو ان سوالات سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ یہ دوسرا ٹولہ ہے جو اسلام اوراس کے تصور دنیا و آخرت کے بارے میں مطالعہ صفر رکھتا ہے۔ قومی نجات کے تصور سے یہ ناعاقبت اندیش ٹولی نابلد ہے۔ بقول اقبالؒ

قوم کیا ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

افسوس ہے کہ ہمارے وطن میں ان بالغ نظر عالموں کا قال ہے جنہوں نے اسلام کو اپنی روٹی، اور پگڑی کے لئے نہیں بلکہ خالق کی پہچان، نفس کی پاکیزگی اور انسانیت کی عظمت و خدمت کے لئے اختیار کیا ہے۔ ہمیں اپنے جنت نما ٹکڑے میں ان عالموں اور مفکروں کی آرزو اور تلاش ہے جن کے نام سے ابلیس بھی تھرتھراتا ہے اور اپنے فرزندوں سے کہتا ہے کہ

افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

لیڈروں کی وطن فروشی، واعظوں کی کم سوادی و سوداگری اور نوجوانوں کے بھٹکنے کی رفتار دیکھ کر میں چونک اٹھا، اور میں نے آج سے کئی برس پہلے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے سوال پر ایک کتاب مرتب کرنے کا عزم کر لیا۔ جس شکل کی کتاب کے نقوش میرے ذہن میں بن چکے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ عزم مشکلات کا ایک سر تاپا پہاڑ تھا، جس کو سر کرکے مجھے نوید امید اور فتح کا پرچم گاڑھنا تھا، یا یہ

خطرات کا ایک عمیق سمندر تھا۔ جس کو تن تنہا پار کرکے ساحل مراد سے ہم کنار ہونا تھا۔ مسودے کے لئے معلومات و مواد کے حصول، تسوید، ترتیب اور طباعت و اشاعت کے سوالات بڑے اہم تھے۔ کیونکہ میں کوئی ایسی تحریر ترتیب دینے نہیں جا رہا تھا جس کے لئے مجھے اپنے وطن کے کسی مذہبی ادبی، سرکاری یا غیر سرکاری حلقے سے کسی قسم کے مالی تعاون یا انعام کی توقع ہوتی۔ میں کوئی جاسوسی یا عشقیہ ناول بھی نہیں لکھ رہا تھا کہ جس کے اشتہارات جگہ جگہ لگ کر قارئین کو اپنی طرف راغب کرتے۔ میں وقت کے اقتدار اور نظام کے خلاف ایک زبردست چیلنج لکھ کر اپنے خطرناک حال اور مستقبل کو مزید خطرات سے پر کر رہا تھا، لیکن قرآن حکیم کی آیات میرے عزائم کو برابر غیر متزلزل بنائے ہوئے تھیں۔

ولا تھنو ولا تحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مومنین ○

"نہ تم خوف کھاؤ اور نہ غم تم ہی کامیاب رہو گے اگر تم مومن ہو"۔

اور دلکی گہرائیوں سے یہ آواز اٹھ رہی تھی۔

ہم نہ گر سنا سکے، قصہ غم سنے گا کون
کس کی زبان کھلے گی پھر ہم نہ اگر سنا سکے

لیکن مختلف جھمیلوں نے مجھے وہ سکون عنایت نہ کیا، جس کی مجھے واقعی ضرورت تھی۔ ناچار میں نے ان ہی مخمصوں اور کانٹوں کے درمیان اپنی ایک پگڈنڈی سی بنائی، جس نے مجھے حوادث غم اور واردات وطن سمیٹنے اور اس کتاب کی شکل میں اپنا خون دل وجگر نچوڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق دی۔

۱۹۷۵ء میں ہندوستان اور جموں وکشمیر پر اندرا گاندھی نے ایمرجنسی نافذ کردی۔ یہاں بھی دہلی کی تقلید میں گرفتاریوں کا ایک سائیکلون چلایا گیا جس نے مجھے بھی کئی ماہ تک اندر جکڑ لیا۔ قید سے رہائی کے بعد مجھے اور کئی مسائل کا سامنا ہوا لیکن میں نے اپنی تہی مائیگی اور معلوماتی مواد کے برائے نام وسائل کے باوجود ۱۹۷۸ء میں بہ مطابق ۱۳۹۸ھ "آزادی کی تلاش" کے نام سے آپ اپنا اور اپنے عوام کا "اقبال جرم" زیب قرطاس کر لیا۔

حسن اتفاق سے "جرم" کی یہ تمہید اسی سال لیلتہ القدر میں تحریر کی گئی تھی۔ جب دنیا بھر کے مسلمان نزول قرآن کی یاد میں جگہ جگہ شبینوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ فرقان مجید نے آج سے پندرہ سو برس پہلے ایک نئے دور، نئی تہذیب و

معاشرت اور نئے طرز زندگی کو جنم دیا۔ اور ایک نئی امت کے سر پر اقبال مندی، سعادت مندی اور سروری کا تاج رکھا تھا۔ قرآن کی روشنی میں جو عظیم انقلاب برپا ہوا تھا۔ میں نوخیزان کشمیر اور حریت پسندان وطن کو اسی کے مطالعے اور وہی تھامنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ ہماری غلامی اور شومئی قسمت کے دن اقبال مندی اور آزادی سے بدل جائیں گے

۱۹۷۸ء میں " آزادی کی تلاش" مرتب کرنے کے بعد، اس مسودے کی کتابت و طباعت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ کیونکہ اس پر لاگت کا تخمینہ میری طاقت سے باہر تھا۔ یہی حال میرے دوستوں کا بھی تھا کہ وہ بھی اونچی آمدنیوں والے لوگ نہ تھے۔ سرمایہ داروں سے تعاون ملنے کی کوئی امید ہی نہ تھی، کیونکہ اس منتخب راستے میں قدم قدم پر کانٹے ہی کانٹے تھے۔ یا اونچی اونچی مہیب چٹانوں سے پھیلے ہوئے ننگے پہاڑ جن سے راستہ نکالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہاں گھڑی گھڑی پھسلنے، گرنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان راہوں سے گذرتے ہوئے پاؤں کا کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ جب تک نہ ہاتھ اور پیٹ سے بھی وہی کام لیا جائے۔ جو قدرت نے پاؤں کے لئے تفویض کر رکھا ہے۔ ان حالات میں ایک زیاں کار بازار میں سرمایہ داروں کے لئے کشش کا کون سا سامان موجود ہوتا۔ سرمایہ دار نفع بخش دعوتوں پر چھلانگ مارتے ہیں، اور ہمارا بازار نقصان کا عادی رہا ہے۔ اور اسی ایک وصف سے اس کا حسن نکھرتا جا رہا ہے۔ میرے کچھ راسخ نظریات و اعتقادات ہیں، جن کی اصل اور اساس انقلاب کے شعور کی دین ہے۔ ان انقلابی نظریات سے محبت ہی اصل ایمان اور سرمایہ ء حیات ہے۔ کیسے کیسے حسین پیکر خاکی ان کے مقابلے میں بے قدر و قیمت اور ہیچ ہیں۔ یہاں سرمایہ داروں اور سرمایہ دارانہ مزاج و ذہن رکھنے والی جماعتوں کا گذر ہی نہیں۔ کیونکہ سنگ وخشت اور درہم و دینار کے تصورات نے ان کا دل مردہ اور دماغ مفلوج کر دیا ہے۔ وہ عافیت کیش ہی نہیں بلکہ انقلاب دشمن بھی بن گئے ہیں، اور اپنے دیناروں سے صرف دیناروں کی خاطر غلامی اور جاہلیت کی طنابوں کو چست اور مضبوط کر رہے ہیں۔

اس مایوس کن صورتحال میں میں نے یہ مسودہ بند کرکے الماری میں ڈال دیا۔ اور مزید مسودوں کی تیاری کا فیصلہ بھی ملتوی کر دیا۔ ۱۹۷۹ء کشمیر میں انوکھی اتھل پتھل کا سال تھا جس سے آزادی کشمیر کے دشمنوں اور ان کے ذرائع ابلاغ نے خوب

خوب فائدہ اٹھا کر سیدھے سادے کشمیریوں کو منزل کے نام پر خود منزل ہی سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۸۰ء کی رستا خیزی میں مجھے پھر ایک بار نظربند کر دیا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں بعض دوستوں نے مجھے اس مسودے کی طباعت واشاعت کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔ جس کے لئے وہ دل سے بے قرار تھے۔ بس ان ہی بیدار دل اور بالغ نظر دوستوں کی حوصلہ افزائی کی بدولت میں نے اپریل ۱۹۸۱ء کے اواخر سے اس مسودے کی کتابت شروع کرائی، مارچ ۱۹۸۲ء میں میری ایک بار پھر گرفتاری کے باوجود یہ صبر آزما مرحلہ خدا خدا کرکے تمام ہوا۔

۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء تک کشمیر میں اور کئی شور انگیز واقعات رونما ہوئے جو میری نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ اس لئے اصل مسودے پر کچھ نظر ثانی کرکے میں نے اس میں نئے واقعات و حوادث کا اضافہ کر دیا۔ پھر حسن اتفاق سے رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ میں مزید ترمیموں اور اضافوں کے ساتھ اس کی نظر ثانی مکمل ہو گئی۔ پھر بھی مجھے اعتراف ہے کہ میری یہ تحریر اپنے موضوع پر کوئی کامل دستاویز نہیں ہے لیکن مبالغہ آرائی سے پاک ٹھوس حقایق و واقعات اور شواہد پر مبنی ایک نظریاتی تحریر ضرور ہے جس میں ہمارے دبے ہوئے عوام کے ارمانوں کی ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ ایک انقلابی دعوت ہے جس سے ہم بے لوث محبت رکھتے ہیں اور بہترین زادراہ ہے جس پر مکمل اعتبار کیا جا سکتا ہے

اس کتاب کا محرک اس خطرے کا احساس ہے جو جارحیت پسند سامراجی طاقتوں کی جارحانہ عسکری سرگرمیوں کی وجہ سے کمزور اقوام کو درپیش ہے۔ آج کل آزادی، جمہوریت اور امن کے دعوؤں کے باوجود دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ عسکری غلبے کے رجحانات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ عسکری جارحیت کے بعد ہی سامراجی طاقتیں انجمن اقوام متحدہ کے مسلمہ ضابطوں کو روندتی ہوئی محکوم اقوام کو اپنی تہذیبی نظریاتی، معاشی اور تعدادی یورش کا نشانہ بنا رہی ہیں۔ یعنی ان کے وسائل معاش پر قابض ہو کر ان کے طرز زندگی اور آبادی کے تناسب کو تبدیل کرنے کے لئے ہمہ گیر اقدامات کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض لیڈروں اور جماعتوں کے ایمان کو خریدا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے سروں پر بڑے بڑے عمامے اور وردیوں پر زیادہ سے زیادہ اسٹار سجائے جاتے ہیں۔ ایمان فروش گماشتے راتوں رات کورپشن کی چھوٹ ملنے پر مال دار بن جاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے حریت پسند قید خانوں میں بھرے جاتے ہیں، وطن بدر

کئے جاتے ہیں، گولیوں سے شہید کئے جاتے ہیں یا سولیوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ یہی ضمیر فروش ٹولی محکوم عوام کی دستور سازی اور قانون سازی کا ٹھیکہ حاصل کرکے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ملت کی خود داری اور عزت نفس کی بساط الٹ دیتی ہے۔ اور حق وباطل اور حلال و حرام کا مسلمہ معیار ہی تہس نہس کر دیتی ہے۔

دوسری طرف سے اعلیٰ اور زرخیز انسانی دماغ زہریلی گیسوں ' جوہری ہتھیاروں ' بموں اور بمباروں کی ایجاد پر مامور کئے جاتے ہیں۔ ہلاکت اور بربادی کے یہ تمام حربے کمزور قوموں کی کشور کشائی اور غلام قوموں کی دائمی پامالی پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس دہشت گردی' اور غارت گری سے اللہ کی یہ حسین دنیا' مظلوم و معصوم بندوں اور بندیوں کے خون سے رنگین ہو جاتی ہے' اور انسانی تہذیب و تمدن کے تمام ارفع و اعلیٰ نشانات کھنڈروں میں بدل جاتے ہیں۔

تاریخ انسانی میں غالب شیطانی قوتوں نے جابرو وقاہر بادشاہوں اور کشور کشاؤں کی صورت میں دنیاکے حسن اور زندگی کو پامال کیا تھا' اور آج انسانیت کی تاراجی وہ طاقتیں کر رہی ہیں جن کو غیرمذہبی جمہوریت یا اشتراکیت یا یہودی قومیت یا آزاد سرمایہ دارانہ جمہوریت پر فخر حاصل ہے۔ امریکہ کا سرمایہ دارانہ طاغوت سی' آئی' اے کا جال وسیع کرکے دنیا بھر میں عام طور پر اور مشرق وسطیٰ میں خاص طور پر شجر ظلم کی آبیاری کر رہا ہے۔ اس کی طفیلی ریاست اسرائیل صیہونیت اور گوری سامراجیت کے عالم گیر غلبے کے لئے کافی مدت سے عرب دنیا کو تاراج کر رہی ہے' اور فلسطینی اور لبنانی عربوں کی نسل کشی پر اتری آئی ہے۔ روس کا سوشل سامراج مسلم وسط ایشیا کی اسلامی تہذیبی اقدار اور ہیت اسلامی کو مٹانے میں مدت مدید سے بے لگام ہے۔ حال' میں ہی افغانستان کی آزاد مسلم مملکت پر فوجی یلغار کرکے وہ افغانوں کی آزادی' سرداری اور غیر جانبداری پر شب خون مار چکا ہے۔

افغانستان پر روس کی رسوائے عالم جاسوسی ایجنسی کے۔ جی۔ بی کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کی گئی ہے۔اور مجاہدین کی مقدس تحریک کو نیست و نابود کرنے کے لئے ملک بھر میں افغانوں کی نسل کشی اور جلا وطنی کی شدت میں کوئی کمی نہیں آنے دی جاتی۔ افغانوں کے خون سے زمین سرخ اور بمباری سے بستیاں شعلہ زار ہو رہی ہیں۔

عسکری جارحیت کے اسی رجحان کو ہندوستان کی طرف سے بھی تقویت مل

رہی ہے جس نے اپنی پہلی فوجی جست میں آج سے ۳۵ برس پہلے ہمارے وطن کو دبوچ لیا تھا۔ تب سے ہندوستان الحاق کی آڑ لے کر ہمارے گھر میں اپنی افواج کی عددی اور حربی صلاحیتوں میں غیر معمولی اضافہ کر چکا ہے اور یہاں کے مفاد پرست اور کم سواد سرگروہوں کو خرید کر جمہوریت ' انتخابات اور انتخابی اداروں کے خود ساختہ روپ میں اپنی حاکمیت اور ہماری محکومیت مضبوط کرنے میں مصروف ہے آج ہندوستان کی عسکری طاقت نے کشمیر میں غلامی کے آلہ کاروں کے اشتراک و تعاون سے ایک زبردست معاشی برتری بھی حاصل کر لی ہے اور کشمیری عوام کی اجتماعی اور قومی زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے رنگ و روپ اور کریکٹر میں رنگنے کا کام اختیار کیا ہے۔ یہاں کے منتخب قانون ساز ادارے اسی مقصد کے پیش نظر اپنے بیرونی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نئے نئے قوانین بنا کر ہماری اجتماعی زندگی کے بہت سارے شعبوں مثلاً تعلیم تمدن' کلچر تجارت وغیرہ کو تہہ وبالا کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تعلیمی میدان میں کشمیری مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی شرکت اور کامیابیوں کو بریک دینے کے لئے اور کئی پیچیدگیوں کو نافذ کیا گیا ہے آقائی وغلامی کا یہ جمہوریت نما نظام پورے عروج پر ہے جس میں ہمارے ملی واسلامی تشخص پر تابڑ توڑ طاغوتی حملے مسلسل جاری ہیں اور قانون ساز اداروں کی نت نئی قانون سازیوں اور ذرائع ابلاغ کے وسیع و ہمہ گیر انتظامات کے ذریعے ہمارے اصل دینی و ملی تصورات پر بالا دستی حاصل کر لی گئی ہے۔

کشمیر میں جمہوریت نما نظام غلامی کے اولین نمائندوں اور بانی کاروں نے اپنے مفادات کی خاطر ان حقیقتوں کو نظرانداز کرکے حق خود ارادیت کو فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے تعبیر کرنے میں اب تک کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ انہیں ڈر ہے کہ کشمیر ایک نہ ایک روز اسلامی انقلاب کی لہر کی لپیٹ میں آئے گا۔ جس کی کوکھ سے ایک حریت پسند قوم وجود میں آ جائے گی۔ جس کے ہاں بہروپیوں کے لئے کوئی جگہ نہ ہو گی۔ بلکہ قدم قدم پر بااختیار لوگوں کا بھی محاسبہ ہوگا۔

امید ہے کہ ہماری نئی پود اس غلامانہ سوچ کا ورثہ مسترد کرکے مجاہدین اسلام کی مجاہدانہ روایات کو از سر نو زندہ کریگی۔

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

یہی اس کتاب کا مقصد ہے اور مجھے امید ہے کہ جو بھی محب وطن اور دردمند

ناچیز کی اس ادنیٰ کوشش کا بغور مطالعہ فرمائے گا۔ وہ جدوجہد پر نئے سرے سے کمر بستہ ہو گا۔ اور اپنی راہ عمل کے ارد گرد ایک نظریاتی حصار باندھ کر اپنے سفر جہاد کا منظم آغاز کرے گا۔

میری خواہش تھی کہ اور زیادہ حقائق و واقعات جمع کرکے اس ملی مسئلے کی ترجمانی کی جائے۔ لیکن وقت تیزی سے دوڑ رہا ہے اور میرے وسائل نہایت ہی محدود ہیں ۔ اس لئے اس روا روی اور بے سروسامانی میں جو کچھ میری ناچیز کوششوں سے مرتب ہو سکا ہے۔ اسے مزید کسی تاخیر کے بغیر حریت پسندان کشمیر کی خدمت میں بہ صد عجز وانکسار پیش کر رہا ہوں' جو نامساعد حالات میں بھی ہماری اپیل پر مشعل حریت تھامے ہوئے ہیں' امید ہے کہ آخر کار یہ قربانیاں رنگ لائیں گی اور ان کی جدوجہد کے تسلسل ، تنظیم اور صف بندی سے اس ریاست پر بھی سیاسی آزادی اور اسلامی انقلاب کی بہار کا سورج طلوع ہو گا

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
میرے قافلے میں لٹادے اسے
لٹادے ٹھکانے لگا دے اسے

(اقبال)

آخر پر میں ان بالغ نظروں' دانشمندوں اور درد مندوں کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں' جنہوں نے اس مسودے کی اشاعت و طباعت میں میرا ساتھ دیا۔ اور ضروری معلوماتی مواد میرے لئے وقف رکھا۔

محمد فاروق رحمانی عفی عنہ
رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

مقدمہ مولف (طبع ثانی)

میں نے " آزادی کی تلاش" کا پہلا اڈیشن دہلی میں چھاپا تھا اور میں ۱۹۸۳ء کے موسم بہار میں اس کتاب کو سری نگر میں منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں شیخ عبداللہ کی موت سے پہلے دہلی کے ایک پریس کو پرنٹنگ کے لئے دی گئی تھی۔ لیکن اس نے طباعت کا کام چھ ماہ کی تاخیر سے شروع کرکے بڑی بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ عوام میں اس کی مانگ فوراً" ہی بڑھ گئی ،جس کی وجہ سے دوسرے اڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء میں حالات نے کروٹ بدلی۔ ہماری تحریک تیز ہو گئی اور فاروق سرکار نے بھارت کی ہدایات کے تحت نوجوانوں کے خلاف سخت اقدامات اٹھائے۔ جموں وکشمیر پبلک سیفٹی ایکٹ اور دوسرے کالے قوانین کا بے دریغ استعمال شروع کیا گیا۔ مجھے بھی ان قوانین کے تحت گرفتار کیا گیا اور ۱۹۸۴ء کے بعد بھی میرے خلاف یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۸۸ء میں گرفتاری کے ایک سال بعد ستمبر ۱۹۸۹ء میں مجھے رہا کیا گیا لیکن صرف چند ماہ کے بعد پولیس نے دوبارہ گرفتاری کے لئے میری تلاش شروع کی' جس میں وہ ناکام رہی۔ اس صورت حال میں تحریر و تالیف سے تعلق رکھنے والی میری سرگرمیاں متاثر رہیں اور میں یہ کتاب دوبارہ شائع نہ کر سکا۔ تاہم اس رستا خیزی اور بھاگم دوڑ کے عالم میں میں نے ۱۹۸۶ء میں "شیخ عبداللہ کے نقوش" مرتب کرکے منظر عام پر لائی۔ جو لوگ آزادی کی تلاش کا مطالعہ کریں گے انہیں پتہ چلے گا کہ یہ کتاب آج سے دس سال پہلے شائع کی گئی تھی اور ۱۲ سال پہلے مکمل ہوئی۔ اس وقت آزادی کے حوالے سے ہماری مجموعی صورت حال بالکل مختلف تھی جس کا موجودہ حالات سے کوئی موازنہ نہیں ہے۔ نوجوانوں میں جو افراد جدوجہد آزادی کو اٹل فیصلہ سمجھ کر اس کے حسن انجام پر یقین رکھتے تھے ان کو دانشور اور سیاست دان بھی یہ کہہ کر بعض اوقات مایوس کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ تم کیوں ایک ناممکن الحصول بات کے لئے سرگرمیاں کر رہے ہو؟ بھارت کے لئے کام کرنے والے سیاست دانوں کو کسی بات کا

اندیشہ نہ تھا۔ وہ اپنی دنیا داری اقتدار کی بندر بانٹ اور دھن دولت کے جمع کرنے میں مست و مدہوش تھے لیکن اقتدار کا شوق رکھنے والے دوسرے سیاست دان بھی بھارتی آئین کے دائرے میں رہ کر بہ ظاہر چند پرکشش نعروں اور مطالبوں کو تلاش کر کے لیلیٰ اقتدار کے پیچھے سرگرم تھے۔ اس قسم کے لوگ اقتدار کی کرسی پر ہندوستان کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لئے کام کرتے تھے اور اقتدار سے باہر' داخلی خود مختاری جیسے لایعنی مطالبات کے ذریعے عوام کو بیوقوف بناتے تھے۔ اس قبیل کے سیاست دانوں کا کہنا تھا کہ بھارت سے علیحدگی ناممکن ہے اور یہ ایک خطرناک آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ عوام بھارت کے تسلط سے ضرور بے زار تھے۔ لیکن ان پر مایوسی ' نا امیدی اور بے یقینی کی کیفیت طاری کی گئی تھی اور ان کو مختلف لیڈروں ' سیاست دانوں اور بیوروکریٹوں نے موجودہ بھارتی قبضے کے خلاف سینہ سپر ہونے سے خوفزدہ کیا تھا۔ان ہی حالات میں آزادی کی تلاش شائع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جرات اور دلاوری کے واقعات بے کم وکاست بیان کئے جائیں عوام کو ہمتوں کا راستہ دکھایا جائے اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے لیڈروں اور شاطروں کے نرغے سے باہر نکالا جائے اور جدوجہد آزادی کے حسن انجام پر ان کا ایمان پختہ بنایا جائے۔ آزادی کی تلاش نے مقبوضہ کشمیر میں اپنا مقصد پورا کرلیا آزاد کشمیر اور پاکستان میں اس کی اشاعت نو کیکیا مقاصد ہیں انکا اظہار ان تاثرات اور مشاہدات کے ذریعے ہو گا! انشاء اللہ !

آج میں ۳ سال سے پاکستان میں اپنے بچوں اور عزیزوں سے دور آزادی کی تلاش میں آبلہ پائی کر رہا ہوں۔ مجھے اس کتاب کی دوبارہ اشاعت پر خوشی محسوس ہو رہی ہے ۔ امید ہے کہ پاکستان اور آزاد جموں وکشمیر کے دانشور اور طالب علم بھی اس کا مطالعہ کریں گے اور کشمیریوں کے احساسات میں شریک ہوں گے۔ میں اپنے ساتھیوں کے مسلسل اصرار کے بعد اس کو دوبارہ شائع کر رہا ہوں۔ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے گا' اسے پتہ چلے گا کہ "آزادی کی تلاش " نے بے لاگ واقعات نگاری پر سختی سے عمل کیا ہے اور کشمیر کے مستقبل کے بارے میں ان یقین افروز باتوں کی نشاندہی کی ہے' جو ہماری تحریک انتفاضہ نے سچ ثابت کی ہیں۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۸ء تک ہماری جستجو نے جو منزلیں طے کیں' ان کو میں نے ایک واضح خواب کی شکل میں اس کتاب میں دیکھاتھا۔ میں نے اس کا دوسرا حصہ لکھنے کے لئے کافی

تیاریاں کی تھیں۔ لیکن ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۰ء تک جیل خانوں اور انٹروگیشن سنٹروں کی طرف سے بار بار بلاوے اور اب گھر سے دوری کی وجہ سے یہ خواب ابھی تک پورا نہیں ہو سکا ہے۔

میرے سامنے پاکستان میں " آزادی کی تلاش" کی اشاعت کے مقاصد واضح اور اہم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سطور میں یہ گفتگو ہو۔ تاکہ آزادی کشمیر کے لئے بے چین پاکستانی اور آزاد کشمیری طالب علموں کو ہماری سرگزشت اور جدوجہد کا ٹھیک ٹھیک تعارف ہو۔

پاکستان کے سیاسی' صحافتی اور ادبی حلقے ۱۹۷۱ء کے بعد مقبوضہ جموں وکشمیر کے سیاسی حالات سے بے خبر ہوتے گئے۔ اگرچہ اس لاتعلقی کا کچھ آغاز ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہی ہوا تھا' لیکن ۱۹۷۲ء میں معاہدہ شملہ کے بعد اس صورت حال میں اضافہ ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے بعد پاکستان میں کوئی صاحب ادراک قیادت نہیں ابھری جو سچ مچ ایک جمہوری ذہن رکھتی ؟ ملک کے اندرونی اور بیرونی مسائل کو مکمل اسلامی اور جمہوری فرائض کے آئینے میں دیکھ کر حکومت اور قوم کی ترجیحات کو متعین کرتی اور قومی امنگوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی۔ یقیناً" ملک کے فیوڈل سیاسی و سماجی نظام نے تبدیلیوں کا اسلامی اور جمہوری راستہ روک کر رکھا اور مطلوبہ قیادت طلوع نہیں ہوئی۔ انگریزوں کے قائم کردہ' نظام حکومت اور نو آبادی راج سے جو کچھ ورثے میں ملا تھا' اس سے بری باتوں ہی کو اختیار کیا گیا۔ اچھی باتیں اگر کہیں تھیں بھی تو ان کو چن چن کر دور پھینکا گیا۔ کشمیر کی آزادی کے سوال پر فطری طور پر لوگوں میں جو جذبات اور ولولے تھے ان کو عملی شکل دی گئی اور نہ ملک کی داخلی اور خارجی پالیسی کو ان سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری اقدامات اٹھائے گئے۔

پاکستان میں جو عناصر کشمیر کی تحریک آزادی کی عملی حمایت سے جان چھڑانا چاہتے تھے' انہوں نے ۱۹۶۵ء کے بعد یہ لغو پروپیگنڈا شروع کیا کہ کشمیریوں نے مجاہدین کے ساتھ دھوکہ کیا۔ ایک خلاف واقعہ بات کو بار بار دھراتے ہوئے یہ لوگ کشمیر میں جدوجہد آزادی کی عظیم تاریخ سے آنکھ موند رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے جان بوجھ کر اس پروپیگنڈے کو ہوا دی اور بعض لوگ نادانستگی میں اس کا شکار ہو گئے۔

تحریک پاکستان کی طرح ہی کشمیر کی تحریک آزادی بھی ایک عظیم قومی اور جمہوری تحریک ہے۔ ایسی تحریکوں کے مقاصد جمہوری رویئے سے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں'

خواہ اس کے لئے سیاسی اقدامات کرنے پڑیں یا عسکری پروسس اختیار کیا جائے۔ افسوس ہے کہ کشمیر کو آزاد کرنے کے لئے یہ اصول نظرانداز کیا گیا۔ آزادی کی قومی تحریکوں کے لئے عسکری حکمت عملی یا گوریلا راستہ ان عناصر کے مشورے اور تعاون کے بغیر منزل کی جانب نہیں چلتا' جن کی مخلصانہ جدوجہد کے سادہ نقوش عوام کے دلوں میں ہوں اور جن کو تاریخ میں مخالف ہواؤں کے تند و تیز جھونکوں نے بھی اپنی راہ سے نہیں ہٹایا ہو۔

پاکستان اور کشمیر کی مشترکہ تاریخ میں بعض بڑی بڑی سیاسی اور عسکری غلطیاں سرزد ہوئیں۔ جن کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کو چھپانے کی فکر میں مزید غلطیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مظلوم اور محکوم قوموں کی جلد بازیوں میں کچھ جواز ہوتا ہے۔ وہ تپتے ریگستانوں کی چمکیلی ریت کو پانی خیال کرتی ہیں اور کبھی کبھی جادوگروں اور بازی گروں کو بھی رہنمائی کے مقام پر بٹھاتی ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کشمیر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ کشمیریوں نے بھی اپنے ساتھ ایسا ہی کیا اور آج بھی وہ اپنے ساتھ یہی سلوک کرنے کے لئے مجبور کئے جا رہے ہیں' ایک منظم اور کامیاب قوم کا مقابلہ' جسے اللہ نے ایک صاحب کردار اور صاحب عظمت قائد عطا کیا ہو' مختلف ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے مدبر جانتے تھے کہ اگرچہ انہیں پاکستان دے دیا گیا' لیکن ریڈ کلف ایوارڈ کے ذریعے ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح اس سازش کو بھانپ گئے۔ انہوں نے جموں سے باقاعدہ فوجی کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن کابینہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ "بھارت کے ریچھ کا گلا دبانے کی بجائے اس کی دم پر پاؤں رکھ دیا" بعد از وقت سیز فائر اگر ۔میسٹ ایک اور غلطی تھی' جب بھارت کشمیر کا بیشتر علاقہ اپنے تسلط میں لانے میں کامیاب ہوا تھا۔

ریاست کا جو حصہ بھارت کی دست برد اور یلغار سے بچ گیا اور آزاد کشمیر کہلایا' اس کے ساتھ بیوروکریسی نے جو رویہ اختیار کیا اور شمالی علاقہ جات کو علیحدہ کرکے نوکر شاہی نے جو ستم ڈھائے اس نے رفتہ رفتہ آزادی اور پاکستان کی قسمیں کھانے والے کشمیریوں کے الحاق تصورات میں زبردست ہلچل مچائی۔ ۱۹۶۵ء کے ناکام آپریشن جبرالٹر کے بعد پاکستان نے بھارت کے ساتھ معاہدۂ تاشقند کیا اور بڑی طاقتوں کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا کہ کشمیری مسلمان از خود کوئی باغیانہ اقدام نہیں اٹھا سکتے جب تک نہ

پاکستان ان کو ابھارے اور ان کی اعانت کرے۔ ۱۹۷۱ء کی خانہ جنگی' ارباب اقتدار کے سیاسی انحطاط اور اعتماد کے بحران کا نتیجہ تھی۔ برسوں سے اس انحطاط اور بحران کے جراثیم خود مغربی پاکستان کے محلات سے وہاں جا رہے تھے ۔ جس نے پاکستان کو تقسیم کیا اور اس کی عسکری صلاحیتوں اور ہمتوں پر عوام کا اعتماد متزلزل ہو گیا۔ بعد میں شملہ معاہدہ ہوا۔ جس نے پاکستانی حکمرانوں اور سیاست دانوں کی ترجیحات بدل ڈالیں۔ کشمیر داخلی اور خارجی سطح پر پس منظر میں چلا گیا اور پاکستان کا موقف کمزور پڑ گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ۱۹۷۲ء کے حالات میں اس سے بہتر کا حصول ممکن نہ تھا۔

آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں پاکستانی بیوروکریسی کے رول اور خود آزاد کشمیر کے بعض حکمرانوں اور سیاست کاروں کی قلا بازی' کم نظری اور نوکر شاہی کی بدعنوانی نے آزادی کی تحریک کو سخت صدمہ پہنچایا۔ بہ ایں ہمہ چند سالوں کو چھوڑ کر ہمارے ہاں آزادی کی عوامی تحریک جوبن پر رہی۔ اس کی صداقت نے نوجوانوں میں محب وطن اور سرفروش پیدا کئے۔ جنہوں نے مسلسل اپنی مالی اور جانی قربانیوں کے ذریعے آزادی کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔

۱۹۷۲ء میں جب شملہ معاہدہ ہوا اور ۱۹۷۲ء میں دہلی کے حکمرانوں اور محاذ رائے شماری کے لیڈروں' شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے درمیان دہلی اکارڈ طے ہوا' تو آزادی کی تحریک پر ہر طرف سے یاس اور نا امیدی کے سائے منڈلانے شروع ہوئے۔ ہماری آواز نقار خانے میں طوطے کی آواز قرار دی گئی اور اس پر توجہ کا گراف بہت نیچے لایا گیا۔

پاکستان کا میڈیا اس صورت حال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بھی قریب قریب وہی پالیسی اختیار کی' جو ہند پاک معاہدوں سے ہم آہنگ رہی۔اس صورت حال میں پاکستان کے عوام خاص کر کشمیر دوست دانشور اور طالب علم ہماری سیاسی اور جہادی سرگرمیوں کے مطالعے سے محروم رہے۔ حالانکہ ہند پاک امن معاہدوں اندرا عبداللہ اکارڈ اور انتخابی ہنگاموں کے باوجود آزادی وطن اور حق خود ارادیت کے حصول کے لئے ہماری جدوجہد حکومت ہند' کشمیری حکمرانوں' سیاست دانوں اور بھارت نواز جماعتوں کے خلاف جاری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب یہ تحریک عروج کے نصب النہار پر ہے' کسی کو یہاں یہ خبر نہیں ہے کہ اس کے حقیقی دوست اور معاون کون ہیں اور بنیادی اور ترکیبی عناصر کیا تھے؟ کون اس کے مجنون

اور کو ہکن ہیں؟ کن عاشقوں نے اس کے زلف سنوارتے ہوئے اپنے بال و پر گنوائے' کن دیوانوں نے اپنی کشتیاں جلا کر بھنوروں میں بسیرا کیا اور موجوں سے بغل گیر رہے۔ کہتے ہیں کہ انقلاب آخر کار اپنے ہی بچوں کو نگلتا ہے' لیکن یہاں آزادی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی یہ کار خیر شروع کیا گیا ہے۔ آزادی کے سچے فدائیوں اور وارثوں کو نہ صرف بے دخل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس ورثے کا انتقال' رشوت خور تحصیل داروں کی طرح جھوٹے اور کھوٹے مالکوں کے حق میں لکھا جا رہا ہے۔ پاکستان کے میڈیا کو ہماری تحریک کے دوستوں' دشمنوں' منافقوں اور تاجروں کا صحیح تعارف نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ ان عناصر کو بھی پروجیکٹ کر رہے ہیں' جن کی پوری زندگی میدان سیاست یا ایوان اقتدار میں بھارتی دیوی دیوتاؤں کے ساتھ کشمیر پر بھارت کے ناجائز قبضے کو مضبوط بنانے میں گذری۔ آج یہ لوگ اپنے قریبی ماضی کو ایک چال اور حکمت عملی کا نام دیں گے۔ لیکن اس طرح تو مظلوم قوموں کا ہر موقع پرست لباس بدل بدل کر لوگوں پر بار بار مسلط ہوتا رہے گا۔ ان عناصر کو اپنا قریبی ماضی معلوم ہے اور اپنے حال دل کی خبر ہے اور اپنے ری ایکشری رول کا دبی زبان میں اعتراف بھی ہے' لیکن افسوس ہے کہ ایک بار پھر یہی لوگ ہمارے ترجمان بنائے جا رہے ہیں اور ہماری کشتی کا پتوار ان کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا!

پاکستان اور آزاد کشمیر میں موقع پرست' مفاد پرست اور مادہ پرست لابیوں نے ابتداء سے کشمیر کی تحریک آزادی کو سبوتاج کیا۔ ادھر کشمیریوں نے پاکستانی حکمرانوں کی اندھی تقلید کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ لیکن نوکر شاہی نظام نے کشمیریوں پر اعتماد نہیں کیا۔ ۱۹۶۵ء کے بعد تو کشمیریوں کو بدنام کرنے اور مشکوک بنانے میں ان کا کردار بڑا گھناؤنا رہا۔

ہمارے خلاف پاکستان میں شکوک و شبہات کی فضا پیدا کرنے میں وہ عناصر خاص رول ادا کرتے رہے' جو قومی مفادات پر ذاتی' گروہی اور خاندانی مفادات کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ لوگ اپنی عیش کوش زندگی کو خیرباد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ بھارت سے مرعوب چلے آتے رہے۔ جہاد سے ہمیشہ دور بھاگے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھنا بھی اپنے لئے خطرہ جانتے ہیں۔ اسی لئے پاکستان کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ بھی آگیا' جب پاکستان کی محبت اور آزادی کشمیر کے لئے مسلح جدوجہد کے خیال سے جو نوجوان

مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر یا پاکستان میں داخل ہوتے' ان کو سب سے پہلے انٹروگیشن سنٹروں اور جیل خانوں کی ہوا کھانا پڑتی۔ وہ مدتوں بعد اس عذاب سے نجات حاصل کرتے۔ یقیناً" بھارت بھی اپنے ایجنٹوں کو کسی نہ کسی روپ میں پاکستان میں داخل کرتا ہے۔ لیکن اکثر کشمیریوں پر شک کرنا کہاں کا انصاف تھا؟ اس سلوک نے سچے دیوانے بھی پاکستان سے بے زار کر دیئے۔

چھٹے اور ساتویں عشرے میں بھی بداعتمادی اور بدگمانی کی جو فضا پیدا کی گئی' اس نے پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ ایک علیحدہ مملکت کشمیر کے قیام کی تحریک پیدا کی۔ یہ تحریک انگلستان میں قیام کرنے والے کشمیریوں میں بھی پھیل گئی۔ اس دور میں فلسطینی مجاہدین کی تحریک سے متاثر ہو کر مقبوضہ کشمیر کے نوجوانوں نے بھی ہائی جیکنگ کا راستہ اختیار کیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ دنیا کا ضمیر جاگے اور وہ کشمیریوں کے مطالبہ آزادی کی طرف متوجہ ہو۔ جب یہ ہائی جیکر پاکستان میں گرفتار ہو گئے' تو پوچھ تاچھ کے مرکزوں اور قید خانوں میں ان کے ساتھ توقعات کے خلاف سلوک کیا گیا۔ اس بات کو دیکھ کر پاکستان میں رہنے والے کشمیری اور بھی زیادہ مایوس اور بے زار ہو گئے۔ چنانچہ ان کے دل میں کشمیر کی خود مختاری کا جنون پیدا ہو گیا۔ اس طرح جموں و کشمیر کی ایک علیحدہ اور خود مختار ریاست کا مطالبہ اور باتوں کے علاوہ روز اول سے ہی غصے اور مایوسی کا ردعمل تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے اس کو ایک باقاعدہ نصب العین کی شکل دی۔

اگر پاکستان کو قائد اعظم کے بعد ایک صحیح قیادت ملتی اور ایک صحیح نظام قائم ہو جاتا' تو نہ صرف یہ کہ یہ ملک تقسیم اور تفرقے سے بچ جاتا' جہاد کے ساتھ کبھی مذاق نہ ہوتا بلکہ کشمیر نے اب تک آزادی حاصل کی ہوتی۔ وفاق پاکستان میں اسلام ایک قدر مشترک ہے۔ ورنہ ہر اکائی کا اپنا ایک جداگانہ لسانی اور کلچرل تشخص ہے۔ تحریک پاکستان کا یہی اعجاز تھا کہ اس نے برٹش انڈیا اور راجواڑوں میں مختلف زبانیں بولنے والے عوام اور ان کے الگ الگ خطوں کو ایک مرکز سے الگ کر کے دوسرے مرکز پر جمع کیا اسی اتحاد کا نام پاکستان پڑا۔

آئیڈیالوجی کے لحاظ سے یہ ہر ایک مسلمان کا وفاق ہے۔ اس کی پوزیشن ہمہ گیر ہے۔ اگر جنوبی ایشیا کے مسلمان اس وفاق سے کچھ تقاضے کریں' تو وہ حق بہ جانب ہیں۔ کیونکہ برٹش انڈیا سے لے کر تمام چھوٹے بڑے راجواڑوں تک وہ کوئی صوبہ اور

ریاست نہیں تھی، جہاں کے رہنے والے مسلمانوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں اپنا کردار ادا نہ کیا ہو۔ کسی کا خون بہا، کسی نے اپنا مال قربان کیا، کسی کی عصمت و آبرو کو صدمہ پہنچا اور لاکھوں مسلمانوں کو اپنے اسلاف کا مسکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کرنا پڑا۔ وفاق پاکستان کی تشکیل میں ان صوبوں کے مسلمانوں کی قربانیاں بھی روشن ہیں، جنہیں یہ یقین تھا کہ پاکستان قائم ہو کر بھی ان کے علاقے بھارت میں ہی رہیں گے۔ اس لئے پاکستان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی غیر مشروط مدد کرے اور ان کی عزت و آبرو کا خیال رکھے۔ ریاست جموں وکشمیر کے بارے میں تو پاکستان کے فرائض اور بھی زیادہ اہم ہیں۔ کشمیر، پاکستان کا صرف مذہبی فریضہ ہی نہیں، (گو کہ یہ سب سے بنیادی فیکٹر ہے) بلکہ دونوں کے درمیان کوئی جغرافیائی اور سیاسی رکاوٹ حائل نہیں ہے۔ اگر یہ حقیقتیں پاکستان کے حکمران، سیاست دان اور مختلف ریاستی ادارے سمجھ لیں، تو کشمیر کا جہاد قدرتی لائنوں پر چل پڑے گا، کشمیریوں کی امنگوں اور تقاضوں کے مطابق جلد سے جلد حل ہو گا۔ نہ صرف یہ پورا خطہ امن و امان، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خوشحالی کا گہوارہ بنے گا۔ بلکہ خود پاکستان میں بھی سیاسی جمہوریت اور معاشی ترقی و استحکام کا دور دورہ ہو گا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ لسانی اور نسلی بوقلمونی کے باوجود برصغیر کے مسلمان ایک ہی عقیدہ کے حامل، وارث اور محافظ ہیں۔ صدیوں سے ہمارے مذہبی اور معاشی مسائل ایک جیسے رہے ہیں۔ فرق یہ تھا کہ برٹش انڈیا کے مسلمان براہ راست برٹش گورنمنٹ کے تحت تھے، جس کا گورنر جنرل دہلی میں بیٹھتا تھا۔ جبکہ ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان ایک صدی تک جموں کے ڈوگرہ حکمرانوں کی موروثی ظالمانہ حکمرانی میں رہے۔ دونوں کے مقاصد میں ہم آہنگی تھی، اگرچہ ماحول قدرے جدا جدا اور مختلف تھا۔ برٹش انڈیا کی بات ہو یا ڈوگرہ ریاست کی، دونوں جگہ سیاسی اور عوامی تحریکوں نے جنم لیا۔ یہ سیاسی تحریکیں عوام میں پھیلیں، جس طرح مچھلیاں پانی میں تیرتی اور گھومتی پھرتی ہیں۔ اپنے عہد کی آزادی رائے کی لہرنے ان تحریکوں پر گہری چھاپ ڈالی اور ان کے سیاسی جمہوری رنگ ڈھنگ کو نکھارا۔ اگرچہ وہ دور نو آبادیاتی اور جاگیردارانہ نظام کا دور تھا، لیکن عام لوگوں نے تحریک آزادی، تحریک پاکستان اور تحریک کشمیر میں وہ کردار ادا کیا، لہو کے وہ چراغ جلائے اور جان و مال اور عزت و آبرو کی وہ قربانیاں دیں کہ جاگیرداروں اور نوابوں کو عوامی سیلاب کے اس عظیم ریلے کے

ساتھ چلنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہ رہا۔ اس طرح پاکستان کے حصول کی تحریک سو فی صد ایک سیاسی اور عوامی تحریک تھی۔ یہی حال کشمیر کا تھا۔ ہماری تحریکوں کی اورینٹیشن کیا تھی اور موٹویشن کیوں کر ہوئی، اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام حریتی تحریکوں میں معاشی عوامل کے علاوہ سب سے زیادہ طاقتور فیکٹر مذہب اور مذہبی قومیت کا احساس تھا۔ لیکن بہرحال ان کی خمیر جمہوری اور ان کا اپروچ اور طریقہ کار سیاسی تھا۔ ہندوستان کو عوامی سیاست کی یلغار نے آزاد کیا اور پاکستان کو بھی جمہور اور ان کے سیاسی عزم نے ممکن بنایا۔ اگر اس کی بنیاد سیاسی اور عوامی نہ ہوتی، تو انگریز تسلیم کرتا اور نہ ہندو مجبور ہو کر اس پر دستخط کرتا۔

عوامی اور جمہوری سیاسی طریقہ کار کے علی الرغم اعلیٰ اصولوں اور صلاحیتوں کے مالک قائدین کی اہمیت نظرانداز نہیں کی جا سکتی۔ برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں صاحب فراست رہنماؤں نے عوام کی قربانیوں کو رائیگاں نہیں ہونے دیا۔ عوام کو میر کاروان نہ ملے یا کوئی غلط امیر ان کی قسمت کا مالک بنے، تو قوموں کو بھٹکنے اور تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا یہ قول کتنا قیمتی ہے کہ "لوگوں کو چاہیے کہ لیڈر کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیں کیونکہ آدھی جنگ لیڈر کے صحیح انتخاب سے ہی جیتی جا سکتی ہے۔"

کشمیریوں کی موجودہ قومی جدوجہد ایک تسلسل کا نام ہے، یہ جہادی تحریک اصلاً آزادی کی ایک زبردست عوامی سیاسی تحریک کے بطن سے نکلی ہے۔ اس کی تازہ ترغیب ہمیں بھارت کے پیدا کردہ حالات عالمی طاقتوں کے دوہرے معیار، اقوام متحدہ کی بے اعتنائی اور بے بسی نے دی ہے۔ بھارت نے کشمیر کے ایک بڑے حصے کو اپنی عسکری جارحیت کا نشانہ بنایا۔ اس نے ہمیں پاکستان کے خلاف جذبہ انتقام میں یرغمالی بنایا اور ہمارا قومی، دینی، سیاسی اور تہذیبی تشخص مٹانے کے لئے اپنے ناپاک عزائم کو آگے بڑھایا۔ وہ ان سب بین الاقوامی وعدوں سے مکر گیا، جو اس نے کشمیری عوام کے ساتھ کئے تھے۔ عالمی طاقتوں نے بھی کشمیر سے متعلق اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے بھی دوہرا معیار اختیار کیا۔ جہاں اپنا مفاد نظر آیا، وہاں انسانی حقوق، حق خودارادیت اور جمہوریت کے اصول لاگو کئے اور جس علاقے میں آمریت اور فسطائیت ہی ان کے فائدے میں تھی، وہاں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا بے دردی سے خاتمہ کیا۔ اسی طرح اقوام متحدہ نے اپنے منشور اور

اپنی قرار دادوں کو گردو غبار کی موٹی موٹی تہوں اور کیڑے مکوڑوں کی نذر کیا۔ آج اگر ہم نے ہتھیار اٹھائے تو ہمارا کیا قصور ہے ؟ ہم آزادی کے اس حق کے لئے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں' جو خود یو این او نے ہمیں دیا ہے۔

ہم قیام امن کے بھی خلاف نہیں ہیں۔ ہماری تحریک جہاد اسی طرف رہنمائی کر رہی ہے ہماری مسلح تحریک اس ہمہ گیر عوامی جدوجہد کا کوئی مستقل باب نہیں ہے۔ ہماری نگاہ میں یہ حصول آزادی اور قیام امن کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اقوام متحدہ سچ مچ اپنے فرائض کی روشنی میں ہمیں اپنے مقاصد کے حصول میں مدد کر دے تا آنکہ ہمارا قومی مشن پورا ہو' تو ہمیں اور کس چیز کی ضرورت ہے ! ہمارا جہاد اسلامی ہے۔ اسلامی جہاد دفاعی ہوتا ہے' جارحانہ نہیں۔ یہ جارحیت مٹانے کے لئے نہ کہ قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے وطن کو غیر ملکی حکمرانوں کے ظالمانہ پنجوں سے نکالنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کی عزت وعصمت کا دفاع کر رہے ہیں۔ ہم اپنی وادی میں موت کے رقص سے نجات حاصل کرکے مور کا رقص دیکھنا چاہتے ہیں' جو آزادی اور شادمانی کی علامت ہے۔

اقوام متحدہ' بھارت اور پاکستان کو ہماری جدوجہد آزادی کا تسلسل اور اس کے بنیادی خدوخال تسلیم کرلینے چاہیں۔ بھارت کو حقیقت پسندی کا ثبوت دے کر اس کا اقرار کرنا پڑے گا کہ نصف صدی کے تسلط میں تمام قسم کے حربے آزمانے اور چار سال سے خونریزی' آبروریزی اور غارت گری کا ننگا ناچ کرنے کے باوجود کشمیریوں نے بھارت کے ساتھ رہنا قبول نہیں کیا۔ بلکہ اب تو سماج کے تمام طبقے آزادی حاصل کرنے کے لئے متحد اور یکسو ہوگئے ہیں۔ اقوام متحدہ اور بڑی طاقتوں کو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ آج ہماری عوامی جہادی تحریک کا تعارف بے زبان جانوروں' درختوں' بے جان پتھروں' پر شور دریاؤں' آبشاروں اور خاموش جھیلوں کو بھی ہوگیا ہے۔

پاکستان کے عوام کو کوئی سرمن سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ملک کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے۔ یہاں کے لوگ کشمیریوں کی آزادی اور سلامتی کا بے پناہ جذبہ سینوں میں بساتے آئے ہیں اور ان نوجوانوں نے بھی کشمیر کی سرحدوں پر اپنا گرم گرم لہو بہایا ہے۔ اس کے باجوود ہمیں یہاں کے عوام کو بہت کچھ سنانا پڑے گا۔ بہت ساری باتوں سے باخبر رکھنا ہو گا اور یہاں کی حکومتوں اور اداروں سے بہت کچھ کہنا ہو گا۔ شاید یہ وقت ساری لب کشائی کے لئے موزوں نہ ہو۔ لیکن اصولی باتوں کا

معاملہ جدا ہوتا ہے۔ میں یہاں صرف بنیادی اور اصولی بات کا ذکر کروں گا۔ تم تفصیلات قدرت کی زبان سے سنو گے۔ وہ وقت ضرور آئے گا۔ جب ہر بات منظر عام پر آئے گی۔

پاکستان کے فدائیوں اور کشمیر کے سرفروشوں اور حریت پسندوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے' آزادی کے دشمنوں' منافقوں' مکاروں اور دغابازوں کو کیسے ناٹکوں کے ذریعے بے بس قوم کے سروں پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ مظفر آباد سے لے کر سرینگر تک یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہو رہا ہے ؟ یہ بھید سب پر کھلے گا ! انشاء اللہ ! لیکن افسوس کہ گذرا ہوا زمانہ واپس نہیں آتا۔ ٹڈیاں ہلاک تو ہوتی ہیں۔ لیکن فصلوں کو اجاڑ کر۔ ۱۹۹۰ء کی ابتدا میں کشمیر میں امیدوں کے جو چراغ روشن ہوئے تھے' وہ بجھ گئے ہیں۔ گل پوش وادی میں خوشیوں کے جو گلاب کھلے تھے' وہ مرجھا گئے ہیں' بے رحم موت نے انہیں اپنی آغوش میں لیا ہے اور اب کشمیری گھرانوں میں شادی کی شہنائیاں نہیں' بلکہ غم اور ماتم کی دھنیں بج رہی ہیں۔

میں گزشتہ ۳ سال سے پاکستان اور آزاد کشمیر میں ہوں۔ ابھی تک خود کو مسافر ہی سمجھ رہا ہوں اور سفر جہاد جاری ہے اور غریب الوطنی کے زخم ہرے ہیں۔ میں آزاد کشمیر کو اپنا ٹکڑا اور پاکستان کو اپنا ہی وطن سمجھ کر آیا تھا' تاکہ یہاں بیٹھ کر سارے کشمیر کو پنجہ غیر سے آزاد کرنے کے آزادانہ مواقع ملیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آزاد کشمیر میں ہم فاریزز ہی تصور ہوتے ہیں اور ہمیں اپنی شہریت اور کشمیریت ثابت کرنے کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے تمام خواب چکنا چور ہو گئے ہیں۔ جو ہم برسوں سے اپنے زخمی سینوں میں بساتے چلے آئے تھے۔ میرے سینے میں اب بھی زخم ہرے ہیں اور محبت باقی ہے لیکن مجھے ترک محبت پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کیا میں اس محبت کو جی بھر کر کوسوں؟ ع

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں' نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی' نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

میں مانتا ہوں کہ پاکستان میں بڑے بڑے عالموں' دانشوروں اور سیاست دانوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اسلام اور فلسفہ وسیاست پر جدید انداز میں محققین کی کتابیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ کسی نے ہمارے عشق وجنون کا سراغ لگایا اور نہ اس کے گہرے پانیوں میں غواصی کی۔ بلکہ اس کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ کیا بات ہے کہ

کل تک دور ہونے کے باوجود جو کشمیری آپ کے قریب تھے' وہ آج قریب پہنچ کر دور ہو گئے ہیں ؟ پہلے دلوں کے درمیان فاصلے نہیں تھے' لیکن اب فاصلے کہاں سے اور کس نے پیدا کئے؟

مجھے تو آج بھی ملک خدا داد سے محبت ہے۔اس لئے کہ اس کے اندر ملت اسلامیہ کے محسنوں کی روح گھوم رہی ہے۔ یہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی امیدوں کا مرکز ہے۔ یہ دنیاکے مظلوم اور مجاہد مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ ہے۔ لیکن آج کسی کو یہاں کا سیاسی نظام بنانے اور چلانے والوں پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ انہی لوگوں نے ملت کے مفکروں کے خواب کی تعبیر الٹ ڈالی۔ پہلے مشرقی پاکستان گیا اور اب کشمیر کے ساتھ فاصلے بڑھ رہے ہیں۔حریت پسندان کشمیر میں مجھے کوئی ایسا شخص دکھایئے' جسے یہاں کے ارباب اختیار سیاست دانوں اور عالموں کے اسلام اور جمہوریت کے دعوؤں پر یقین رہا ہو۔ خود پاکستانی قوم کو بھی ان کے اسلام کے دعوؤں پر شک ہے۔

۴۷ء سال گزرنے کے باوجود پاکستانی عوام جمہوریت اورمساوات پر مبنی سیاسی'معاشی'سماجی'تعلیمی اور طبی نظام سے محروم ہیں۔ حالانکہ خود اس ملک کاقیام ایک عظیم جمہوری جدوجہد کےذریعے عمل میں آیا تھا۔ قائد اعظم کی برپا کردہ جمہوری تحریک کو پہلے سیاسی انارکی اورطوائف الملوکی کے ذریعے ختم کیا گیا'آئین سازاسمبلی توڑی گئی اور آخر کارایک فوجی نظام سیاست کی بنیاد ڈالی گئی۔پاکستان اللہ کی تائید'عوام کی قربانیوں اور دعاؤں سے قائم ہوا تھا۔ پھر یہی ملک جاگیرادروں' سرمایہ داروں اور بیوروکریٹوں کے شکنجے میں پھنس گیا۔

پاکستان نظریاتی اور دستوری اعتبار سے ایک اسلامی فلاحی اور جمہوری مملکت ہے۔ لیکن ابھی تک یہاں جاگیردارانہ نظام قائم ہے' یا سرمایہ دارانہ نظام پھل پھول رہا ہے اورمغربی کلچرل عادات نے سماج کو مرعوب کرکے رکھا ہے۔ بعض علاقوں میں سرکاری زمینوں کوہاریوں میں تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ لیکن استحصالی قوتوں کو توڑنے کے لئے یہ کارروائی ناکافی اور محدود ہے۔ ملک میں مکمل انقلابی زرعی اصلاحات کا کوئی مسودہ قانون زیر غور نہیں ہے۔ جس کے ذریعے وسیع و عریض اور لا محدود جاگیریں ہاریوں' کاشتکاروں اور محنت کشوں میں تقسیم ہوتیں۔ حیرت ہے کہ سوشلزم اور مساوات کے حامی بڑے بڑے لیڈر' میلوں لمبی چوڑی زمینوں کے مالک' بڑی بڑی سیاسی اور مذہبی جماعتیں چلاتے ہیں اورعالی شان حویلیوں میں سوشلزم کے

بھاشن دینے کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یوں تو الیکشن لڑنے والی بڑی بڑی تنظیموں نے اپنے اپنے منشور میں معاشی اعتبار سے بہ ظاہر بڑے اہم وعدے درج کئے تھے۔ لیکن جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کرنے کے لئے انقلابی زرعی اصلاحات کے قوانین بنانے کی کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے کہ ان پارٹیوں میں استحصال پرور عناصر کا راج ہے۔ ان حالات میں اسلامی نظام کون نافذ کرے گا؟ کشمیر پر دلیرانہ پالیسیاں کون بنائے گا "ہماری قوم کی روزبروز کی قیامت خیزی پر کون روئے گا اور کون کشمیری مسلمانوں کے اعتماد کی اہمیت کو سمجھے گا؟

پاکستانی حکومتوں کی کشمیر پالیسی کیاہے ؟ آزاد کشمیر کی حکومت کا کنٹریبوشن کیا ہے ؟ وہ کیا چاہتی ہے ؟ پاکستان سے الحاق یا خود مختار ریاست یا لسانی اور جغرافیائی ٹکڑوں کی فیڈریشن کاقیام یاان دونوں کے مابین کوئی تیسری چیز؟ کیا پاکستان کو سچے خیر خواہوں' حریت پسندوں اور فدائیوں کی ضرورت نہیں ہے ؟ کیا وہ صرف ایجنٹوں اور وظیفہ خواروں کو پسند کرتا ہے' جو روپے دے کر ہر وقت مل سکتے ہیں ؟ کیا آزاد کشمیر کے حکمرانوں اور لیڈروں کو ہماری قربانیوں اور مصیبت کی طویل رات کا کچھ بھی احساس نہیں ہے؟ یا ان کی اصل پریشانی یہ ہے کہ ان کی لیڈر شپ سرینگر تک کیسے تسلیم کی جائے یہ سوالات جدوجہد آزادی لڑنے والے ہر کشمیری کے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آنکھیں لاکھ بند کریں لیکن جو قوم قربانیوں کی بھٹی میں سونا بن کر نکلی ہو' اس کے شعور سے یہ سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔ وہ بھیڑوں کا کوئی ریوڑ نہیں ہے' وہ مجاہدوں کا کچھار اور شہیدوں کا مسکن ہے۔ خدا نے اپنے جمال سے اسے پہلے ہی نوازا تھا۔ اب جلال کا منظر بھی سامنے ہے۔

پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکمران بہ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کشمیری اپنی مرضی کے آپ مالک ہیں۔ قائد اعظم برج مظفر آباد پر کبھی کشمیر بنے گا پاکستان اور کبھی " پاکستان کی شہ رگ " لکھا رہتا ہے۔ لیکن کیا عمل بھی اسی قول کا غماز ہے۔ پاکستان میں رہنے والے کسی پاکستانی اور نہ کسی کشمیری کو اس بات پر یقین ہے کہ یہ حضرات جو نعرہ رٹتے ہیں' اس سے یہی مراد بھی لیتے ہیں۔ پھر کیاوہ ریاست کو خود مختار ملک بنانے کے خواہاں ہیں؟ کئی پراسرار حرکات سے یہ نتیجہ نکالاجا سکتا ہے۔ لیکن ! نہیں ! وہ تو تھرڈ آپشن کو سازش کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ یہ ان پرڈ کٹیبل (Unpredictable) لوگ ہو سکتے ہیں !ان کے کسی

بیان سے ان کے فیوچر عزائم یا نصب العین کے بارے میں پیشنگوئی نہیں کی جا سکتی ان کے اندر (ماسوائے چند ایک کے) کشمیر کی آزادی کے لئے جوجنون اور دیوانگی ہونی چاہیے تھی' وہ نظر نہیں آتی۔ جہاں سیاست کو ریاضت اور عبادت سمجھا جانا چاہیے تھا وہاں وہ تجارت میں بدل دی گئی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مقبوضہ کشمیر سے آئے ہوئے مجنون بھی مجنون نہ رہے۔ ہم دیوانے آئے تھے' یہاں کی صحبتوں نے ہوشیار اور غرض مند بنائے۔

سیاست کاری کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر مجھے شیخ عبداللہ اور ان کے حواری یاد آتے ہیں۔ دونوں جگہ سیاست بازی یا شطرنج بازی میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ شیخ عبداللہ کے تین سیاسی روپ تھے۔ جن کو وہ باری باری سرینگر' جموں اور دہلی میں استعمال کرتے تھے۔ تحریک رائے شماری کے زمانہ عروج میں بھی انہوں نے اپنی تقریروں اور بیانات کو متضاد رویوں کے تابع کر دیا تھا۔ شیخ عبداللہ نے ابتداء میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو اٹوٹ قرار دیا۔ پھر اس کو مسترد کرکے رائے شماری کی حمایت کی۔ ۱۹۶۸ء میں انہوں نے درگاہ حضرت بل کے منبر سے آزادی اور مکمل حق خود ارادیت کی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے لاکھوں عوام کے اجتماع عظیم کے ساتھ خدا کے حضور حلف اٹھایا۔ ۱۹۷۵ء میں دوبارہ وزیراعلیٰ بننے کے بعد انہیں اپنا عہد و پیمان یاددلایا گیا' تو انہوں نے کہا کہ لوگوں نے میری باتوں کو غلط سمجھا ہے۔ میں نے کبھی ہند سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ البتہ ہمارے درمیان کچھ اندرونی اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔

اس نفاق پرور سیاست کاری نے پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ مسلمانوں کے ملی مفادات کو نقصان پہنچایا۔ بھارت کے جھوٹ کی ریتیلی عمارت ہم میں سے ہر کس و ناکس کو پکی دیوار دکھائی دی۔ دنیا کو اس کے جھوٹ پر سچ کا گمان ہو گیا اور ہمارا سچ اعتبار کے لائق نہ رکھا گیا۔ مسلمانوں کو تو پاکستان ہے' لیکن کشمیر کہاں ہے؟ مغربی پاکستان بچ گیا اور مشرقی پاکستان سے محروم ہو گئے۔ اس لئے کہ بھارت کے بچے بوڑھے اور مرد و زن اپنے ملک کو بھارت ماتا سمجھتے ہیں اور اس کی عظمت رفتہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ پنڈت نہرو جیسے لیڈر کے رگ و ریشے میں قدیم بھارت کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کی تحریر کردہ کتاب " دریافت ہند " کا یہی ایک پیغام ہے۔ افسوس ہے کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کوئی ہمیں بنیاد پرست نہ سمجھے۔

پاکستان اور کشمیر کے سیاست دانوں کو یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ بھارت کے ہندو امپریل ازم کا دیو کتنا خوفناک ہے اور وہ جنوبی ایشیا میں اس کے عروج نو کا کیسے مقابلہ کریں گے لیکن ہمارے مقتدر سیاست دانوں نے گزشتہ نصف صدی میں عالم اسلام کو بھارت کے نیو ہندو امپریل ازم کی ہولناکیوں سے آگاہ کرنے کی کوئی شعوری اور منظم کوشش نہیں کی۔ جس کی وجہ سے مسئلہ کشمیر پر اسلامی دنیا کافی وقت تک بھارت کے ورشن کو ہی درست سمجھتی رہی۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ کشمیر ابھی تک اس کے ناجائز تسلط میں ہے۔ نصف صدی گذرنے کے باوجود اس کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوا نہ یہ کوئی علیحدہ خود مختار ملک بن سکا۔ کیونکہ بھارت (جس کا وزن عالمی سیاست پر بھاری ہے) کو یہ دونوں چیزیں نامنظور ہیں۔ جبکہ پاکستان اور آزاد کشمیر کو بہ ظاہر دوسری چیز نامنظور ہے۔ مقبوضہ کشمیر کو موجودہ حالات میں کیا منظور ہو گا۔ اس طرف کسی کا دھیان نہیں ہے۔ آزاد کشمیر میں پاکستان سے الحاق اور علیحدہ خود مختار ریاست کے حمایتی' دونوں ریاست جموں و کشمیر کو ناقابل تقسیم وحدت قرار دیتے ہیں اور اپنا اپنا موقف بڑے ہی جارحانہ انداز میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ دونوں جگہ حکمرانوں اور دوسرے سیاست دانوں کو پاکستان سے الحاق کے مطالبے پر قدرتی طور پر خوشی ہونی چاہیے' لیکن علیحدہ ریاست کے حصول کی تحریک پر بھی یہاں حکومتوں کی طرف سے کوئی قدغن نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ آزاد کشمیر میں خود مختار کشمیر کے حامیوں کا انتہا پسند عنصر پاکستان کے حامیوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے' جس طرح ہم مقبوضہ کشمیر میں بھارت نواز عناصر کو دیکھتے ہیں۔ یہ صورت حال کیوں کر پیدا ہوتی ہے' اس کے اسباب کا کچھ مجمل ذکر میں نے گزشتہ سطور میں کیا ہے۔ لیکن ایک اور بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جن سیاسی یا انتظامی ذمہ داروں کی غلط پالیسیوں اور ناروا اقدامات سے یہ ذہنی ماحول بنا ہے' انہوں نے اپنی حرکتوں پر قومی نکتہ نگاہ سے کبھی سوچا ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لاپروا عناصر کو اپنی قوم اور اپنے ملک سے محبت ہوگی' نہ اس کا مستقبل عزیز ہو گا۔ قوم یا انتظامیہ کے ذمہ داروں اور ناخداؤں کا اپنی قوم سے پیار نہ کرنا بہت ساری برائیوں اور خطرات کو جنم دیتا ہے۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ پاکستان اور آزاد کشمیر میں کشمیری نوجوانوں کے کئی انتہا پسند گروپ ہیں' جو پاکستان سے الحاق کو پسند نہیں کرتے ہیں' غلط پالیسیوں اور ناجائز حرکتوں کی سزا پاکستان کو مل رہی ہے۔

ریاست جموں و کشمیر کی سابقہ وحدت اور سالمیت موجودہ ماحول میں کس طرح بحال کی جائے' اس کا کوئی پریکٹیکل حل آزاد کشمیر کے سیاست کاروں اور انقلاب کے حامیوں کے پاس نہیں ہے۔ مختلف سیاسی نعروں کو روایت یا رد عمل کے سہارے قبول کرکے جاری رکھنا ایک بات ہے اور ان پر معقول انداز میں سماجی اور سیاسی جدوجہد کی ٹھوس بنیاد رکھ کر قائم شدہ نظام کی چولیں ہلانا بالکل مختلف معاملہ ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے عوام نے ابتدا سے ہی بھارت کے قبضے کے خلاف سیاسی تحریکیں چلائیں۔ جن میں قدرتی طور پر تصور پاکستان کو محوری شکل مل گئی۔ آخر کار دلوں کو فرحت عطا کرنے والی گل پوش وادی میں بھارت کے نظام کی پوری عمارت زمین بوس ہو گئی۔ آج بھارت کے حکمرانوں ' سیاست دانوں اور جرنیلوں کے لئے کشمیر ایک حیران کن بات کا نام ہے۔ جہاں نہ ان سیاست دانوں کی عیاری کا پھندا عوام کا گلا گھونٹ سکا اور نہ جرنیلوں اور گورنروں کے فوجی داؤ پیچ کامیاب ہوئے۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کے حکمرانوں کو بے لاگ انداز میں اس جدوجہد اور کشمکش کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے کہ کشمیری کس بے جگری سے آزادی کے لئے لڑتے رہے ہیں اور بھارت کس سختی سے ان کو اپنے قبضے میں رکھنے کی کوشش میں لگا رہا۔

کشمیر ایک آتش فشاں پہاڑ کا نام ہے۔ جس کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں بسنے والے لوگ آگ میں کندن بن گئے ہیں۔ صدیوں سے ہماری دھرتی پر ظالم حکمران آگ برساتے رہے ہیں لیکن ہمارا نوجوان بھی جوالہ ہے۔ اور چند ہزار نوجوانوں نے بھارت کی پانچ لاکھ طاقتور فوج کے خلاف جہاد جاری رکھ کر اس کے غرور کو خاک میں ملایا ہے۔ ہماری موجودہ تحریک جہاد کا ڈائی مشن عوامی ہے۔ اس کی روح اسلامی اور منزل مقصود حریت ہے۔ اگر پاکستان یا آزاد کشمیر کے حکمرانوں نے اس تحریک کا گھریلو اور اسلامی کیریکٹر نظر انداز کرکے کشمیریوں پر کوئی ایسی قیادت مسلط کرنے کی کوشش کی' جو گھریلو نہ ہو اور جس نے بھارت کی مکمل حمایت میں اپنی زندگی گذاری ہو یا اس جدید استعمار کو کشمیر میں مضبوط کرنے' میں اپنا رول ادا کیا ہو' وہ کشمیری عوام کے لئے ہی نہیں بلکہ پاکستانیوں کے لئے بھی مضر ہو گا۔ اس صدمہ عظیم سے بچنے کے لئے پاکستان کو اپنی پالیسیوں کا جائزہ لینا ہو گا۔ ہمیں وہی پرانی شراب نئی بوتلوں میں انڈیلنے اور پینے سے بچنا ہو گا۔

ہماری تحریک آزادی کی قیادی صف میں موقعہ پرست عناصر کو ایڈجسٹ کرنے کی

کوئی بھی کوشش قوم سے شدید نا انصافی ہو گی۔ یہ سوسائٹی میں نئی محاذ آرائی اور نفرت کو جنم دے گی۔ آزادی اور اسلام کی تحریک کا تقاضا ہے کہ بندوق پرستی' موقعہ پرستی اور عیاری کے سہارے عوام پر کوئی قیادت نہ ٹھونسی جائے۔ نہ عیاری کا جامہ اوڑھنے والوں کی اعانت کی جائے۔ ہمارے سامنے قوم کی آزادی کا سوال نہ کہ پرانی بھارت نواز اور عیش کوش لیڈر شپ اور اس کی نوکر شاہی کی دوبارہ بحالی اور عزت افزائی کا سوال رہے۔ ہم بھارت کے سابق حامیوں کو معافی دے سکتے ہیں لیکن ان کو اپنا ترجمان اور قائد نہیں بنا سکتے۔ اگر اتحاد کی آڑ میں مفاد خصوصی اور ظالم عناصر کو لیڈر شپ کی صف میں بٹھایا گیا اور ان کے ناقابل معافی جرائم معاف کئے گئے تو آزادی کی صبح کا سورج چمکنے کے بعد بھی امن و امان کشمیر کی وادی سے اسی طرح دور بھاگے گا' جس طرح ایک ہرن سرسبز و شاداب جنگل سے شکاری' شیر یا چیتے کو دیکھ کر بھاگتا ہے

یہ بات عجیب' غیر منطقی' خود غرضانہ اور غیر منصفانہ ہے کہ جو عناصر ایک غیر ملکی نو آبادیاتی' استحصالی اور ظالمانہ نظام کے اہم ستون اور آلہ کار رہے ہوں ۔ وہ "سو چوہے کھا کر بلی حج کو گئی " کے مصداق اگر مجبوراً" سواد اعظم کے ساتھ شامل ہوں' تو عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ قائدین کے مقام پر چھلانگ لگا کر بیٹھیں۔ اس قبیل کے عناصر خواہ وہ استحصالی نظام کے سیاست دان رہے ہوں' یا وزیر و امیر یا نوکر شاہی کے ستون یا سامراج کی پیدا کردہ پارٹیوں کے لیڈر رہے ہوں' بہرحال اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں مقام قیادت پر لایا جائے۔ اس قسم کا فیصلہ ہماری صدیوں سے پامال قوم کے لئے نیک فال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان بہت ساری برائیوں میں ایک بڑی برائی یہ بھی ہے کہ پرانے سامراجی نظام کے بڑے بڑے آلہ کار نئے دور میں بحال ہو کر اپنے ساتھ اسی قسم کے اور بہت سارے مفاد خصوصی عناصر لاتے ہیں۔ یہ صورت حال قوم کے لئے مایوس کن اور خطرناک ہے۔

ایران کے انقلاب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے استحصالی عہد ملوکیت کے ستون اور بت توڑے اور نئی عمارت کی تعمیر و ترقی کے لئے نئے ہاتھ جمع کئے ۔ شہنشاہیت کے خلاف تحریک کے دوران میں بلاشبہ مختلف الخیال عناصر نے جدوجہد کی ۔ لیکن انقلاب کی قیادت مذبذبین اور منافقین کو نہیں دی گئی۔ آج کل ہمارے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ آزادی کی موجودہ تحریک میں تمام قسم کے طبقوں

اور مختلف الخیال عناصر کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے اور ان کے ماضی یا گزشتہ تحریک مخالف کردار کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔ مجھے اس بات سے اختلاف ہے اور یہی ایک بھاری اکثریت کا بھی نظریہ ہے کہ ماضی سے صرف نظر کرکے مستقبل کی تعمیر بہتر انداز میں نہیں ہو سکتی۔ ماضی میں دونوں صفتیں ہوتی ہیں۔ یہ اچھا بھی ہو گا اور برا بھی۔ ماضی میں اچھے لوگ ملیں گے اور برے کردار بھی۔یقیناً" سماج کے تمام طبقے مل کر ہماری قومی تحریک میں ایک سود مند رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں اور ہمارے موجودہ انتفاضہ کی یہی خوبی ہے کہ یہ کشمیریوں کی عوامی تحریک ہے۔ لیکن استحصالی نظام' یعنی سامراج اور اس کے ایجنٹوں کے مشترکہ نظام کو چلانے والوں کے ہاتھوں میں زمام کار دینا کس حریت پسندی اور انقلاب اسلام کا نام ہے جو ہماری عوامی تحریک کی کامیابی کے لئے ان آلہ کاروں اور سرکشوں کا محتاج ہو' جن کے نفاق اور فتنہ سامانی کی وجہ سے ہم نصف صدی سے بھارت کے ذریعے کچلے جا رہے ہیں۔ کیا یہی انصاف ہے کہ ہمارے سرفروش اور مجنون نئے دور میں بھی بھارتی سیاست اور نظام کے آلہ کاروں کے پیچھے چلیں اور ان کی بندگی کریں ؟ کیا قوم کے بڑے بڑے مجرموں کو عدالتوں کے کسی کٹہرے میں کھڑا نہیں ہونا چاہیے؟ کیا مجرموں کے سردار بری ہوں اور مظلوموں کی کوئی داد رسی نہ ہو؟ ایسے اتحاد کو دور سے سلام کہیے ؟ جن عناصر نے اپنے ہر قدم سے کشمیر میں بھارت کو مضبوط کیا ہے اور آج وہ ہماری صفوں میں مخصوص حالات کیوجہ سے آگے آ رہے ہیں' انہیں زمام کار کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ انہیں اپنی زندگی کی کتاب کا خود اعتراف کرنا چاہیے اور ایسے عناصر کے ماضی کو سامنے رکھ کر ان کا رول متعین کرنا ہو گا۔ لیکن ایسے عناصر کو انتفاضہ کے کسی مرحلے پر بھی ہماری ترجمانی اور نمائندگی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ بھارتی سامراج اور اس کے دوسرے مددگار بھی یہی چاہتے ہوں گے کہ اب کہ یہ تحریک بھارت کے قابو میں نہیں آ سکتی' اس لئے اس کی زمام کار انتہائی چالاکی سے ان لوگوں کے ہاتھوں میں لائی جائے' جو ماضی میں بھارت کے حامی رہے ہوں' میرا نکتہ یہ بھی ہے کہ جن سیاست کاروں نے کشمیر میں اپنی عمریں بھارتی مظالم مضبوط کرنے میں گذاری ہیں' وہ آج تحریک انتفاضہ کی وجہ سے اپنی بقاء اور تحفظ کے لئے مجبور ہیں۔ ورنہ وہ کبھی تحریک آزادی کی حمایت میں نہ آتے۔ اس لئے ایسے سیاست دانوں کو قوم کی ترجمانی اور نمائندگی کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا زیادہ

سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان کو بقاء حیات کا حق دے سکتے ہیں اور کشمیریوں کی روایات کے مطابق ان کو معاف کر سکتے ہیں۔ انہیں مولانا حالی کی زبان میں ہمارا یہ پیغام نوٹ کر لینا چاہیے۔ ع

حالی نشاط نغمہ و مئے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں؟

جو لوگ ہماری تحریک کی صفوں میں رہ کر بھارت کے پرانے وظیفہ خور سیاست دانوں کی وکالت کر رہے ہیں' ان کا سیاسی ذہن پسپسا ہے۔ دائرہ اثر نہایت تنگ ہے' اور وہ اپنا سیاسی قد بنانے کے لئے بھان متی کا کنبہ جوڑنا چاہتے ہیں۔ اس طرح اگر کشمیریوں کے ساتھ ہونے والا موجود ظلم و ستم نظر انداز کیا گیا' ان کی خواہشات کی بے قدری کی گئی اور جہاد کے ثمرات کو طاقت کی بنیاد پر غیر مستحق عناصر نے سمیٹنے کے لئے دوڑ لگائی' تو نتائج ہولناک ہوں گے اور بھارت اور پاکستان دونوں کسی نئی آزمائش میں گرفتار ہوں گے۔ بھارت اور پاکستان دونوں کو کشمیریوں کا رول سمجھنا چاہیے' کشمیری مسلمانوں نے تاریخ کے پر آشوب لمحات گنے اور ہولناک مظالم برداشت کیے' لیکن انہوں نے کشمیری ہندوؤں اور بھارتی شہریوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں نہ کیں۔ اسی طرح کشمیریوں نے مقبوضہ علاقے میں مسئلہ کشمیر میں پاکستان کے فریق ہونے کی وکالت اس زور سے کی کہ خود پاکستان بھی اتنی وکالت خارجی دنیا میں مسئلہ حق خود ارادیت کی نہ کر سکا۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان نے ہماری آواز کی شدت تسلیم نہ کی تو قدرت کی سنت اور مکافات عمل کے قانون کے مطابق یہ دونوں ملک بڑے پیمانے پر پریشان ہوں گے۔

گزشتہ چند سالوں میں کشمیر کی قومی تحریک آزادی میں بالواسطہ دوسری قوتوں اور سیاسی عناصر کا کردار بڑھنے کے علاوہ واضح بھی ہوتا جا رہا ہے۔ ان میں خاص طور سے حکومت پاکستان' حکومت آزاد جموں وکشمیر اور پاکستان اور آزاد کشمیر کی بعض مذہبی و سیاسی جماعتیں شامل ہیں۔ جو اپنی اپنی لیول اور سوچ کے مطابق مقبوضہ کشمیر کی تحریک جہاد کو چلانا یا اس پر اثر انداز ہونا چاہتی ہیں۔ پاکستان بلا شبہ کشمیر کے سوال کا فریق ہے۔ وہ ہمارا دینی بھائی بھی ہے۔ اور ہمارے دونوں عوام کے درمیان محبت بھی ہے' اگر کشمیر پاکستان کا قومی سوال ہے' تو کشمیریوں کے لئے یہ ایک قومی اور گھریلو جدوجہد کا نام ہے۔ ان تین عناصر کے علاوہ جو اس وقت منظر پر غالب رہنا چاہتے ہیں۔ کچھ

ایسے عناصر بھی ہیں، جو کشمیریوں کے لئے نئے ہیں۔ مملکت پاکستان اور پاکستانی قوم کے لئے محبت و احترام پر ہمارے عوام میں کوئی دو رائیں نہیں ہیں۔ اس لئے ان تینوں عناصر کو مقبوضہ کشمیر کی جدوجہد میں کسی قسم کے سرکاری، تنظیمی، گروہی، مسلکی اور فرقہ وارانہ اثر و نفوذ بڑھانے کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف رضاء الٰہی کے لئے تعاون دینا چاہیے رضاء الٰہی اور قومی و دینی فرض سمجھ کر مظلوم قوم کی طرف بڑھایا جانے والا دست تعاون غیر مشروط ہوتا ہے۔ مادی و دنیوی معیارات سامنے رکھے جائیں، تو سب کچھ ذاتی غرض مندی پر ہوتا ہے۔ جو خلوص سے خالی اور ریا سے بھر پور ہوتا ہے۔ مثلاً امریکہ پاکستان کے لئے مالی اور دفاعی امداد مشروط بنا چکا ہے۔ یہی سلوک تیسری دنیا کے غریب ملکوں کے ساتھ ہوتا ہے۔پاکستان، آزاد کشمیر اور پاکستانی جماعتوں کو کشمیریوں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے مومنانہ خلوص اور شفقت کو ہی طریق عمل بنانا چاہیے۔ آزاد جموں وکشمیر کی حکومت اور لیڈروں کے لئے یہ اور بھی زیادہ واجبی ہے۔ افسوس ہے کہ اس طریقہ عمل کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔ نہ آزاد کشمیر کی حکومت میں اور نہ پاکستان میں۔ اسے آپ کیا کہیں گے کہ کشمیر میں آزادی کی تحریک چلاتے ہوئے ہمیں پاکستان کی تلاش رہتی تھی، لیکن پاکستان میں پہنچ کر ہمیں قائداعظم کے نصب العین کی جستجو ہے، بلکہ خود قائداعظم کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا خبر کہ یہ تلاش کب تک رہے گی؟

ہمیں موجودہ حالات میں بہ حیثیت کشمیری نہ صرف پاکستان بلکہ آزاد کشمیر کا رول سمجھنے میں بھی الجھن پیش آتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے عوام کو آزادی چاہیے، بھارت کے طویل قبضے سے خلاصی۔ جہاں تک لیڈر شپ کا تعلق ہے، یہ عوام کا داخلی اور ذہنی مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ مختلف پارٹیوں اور ان کے رہنماؤں کے قول و فعل، سیرت و کردار اور پس منظر کو دیکھ کر ہی کسی فرد یا جماعت کو رہنمائی کا موقعہ دیتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہماری آزادی کا اصل مسئلہ پس منظر میں بھیجا جاتا ہے اور لیڈر شپ کی بحث شروع کی جاتی ہے۔پھر خود ہی بنے بنائے زاویوں اور خارجی عناصر کی خواہشات کے مطابق کسی عنصر یا کردار کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنی آزاد مرضی اور تجربے کے ذریعے فیصلہ کرنے کا راستہ بند کیا جاتا ہے۔اس صدی میں مسلم دنیا پر جگہ جگہ جو قیادتیں مسلط ہو گئیں، وہ عوام کی داخلی تحریکوں کے بجائے بیرونی اشاروں کی مرہون منت ہیں۔ ہماری داخلی سیاست میں بیرونی عناصر کے ذریعے جوڑ توڑ

اور بناؤ بگاڑ کا یہ عمل ایک خطرناک المیہ ہے۔ جس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

آزادی کی عوامی اور قومی تحریکیں جب کسی خارجی قوت کے بغیر اپنے قدرتی عوامل کے سہارے عروج حاصل کرتی ہیں، تو ان میں راستہ دکھانے والے اچھے سے اچھے لوگ پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ اس لئے قوموں کو اس میں الجھانا اور اشارے دینا سازش کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ جو لیڈر شپ ناجائز ذرائع وسائل اور دولت کے ذریعے قائم کی جاتی ہے، وہ ہمیشہ مصنوعیت اور ریاکاری کے ہتھکنڈوں کی محتاج رہتی ہے وہ قوم بھی مکافات عمل سے بچ نہیں سکتی، جو غیر فطری اور گندے راستوں کو اختیار کر لے۔

خود پاکستان ۴۷ برس گزرنے کے بعد بھی جن سیاسی، فکری اور سماجی پریشانیوں میں گرفتار ہے۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اس قوم کے لئے قیادت کے داخلی اور شفاف طریقے مسدود کئے گئے۔ آج ہمیں ایسا لگتا ہے کہ سیاسی آزادی کے باوجود یہ ایک بے آسرا اور بے بس قوم ہے اور زمین و آسمان کے درمیان معلق! گزشتہ چند برس سے پاکستان کشمیر میں بھی لیڈر شپ کی تلاش کا طریقہ بگاڑتا رہا ہے۔ آزاد کشمیر کا خطہ تو برسوں سے اسی ڈگر پر چل پڑا ہے۔ اسے سود و زیان اور صاف و غلیظ کا کوئی احساس نہیں رہا ہے۔ سماج کی مسلمہ شفاف اقدار کی تذلیل کا آغاز بالائی طبقوں سے ہوتے ہوئے نچلے طبقوں کو بھی اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ اور نظم و ضبط کا فقدان ہر سو عیاں ہے۔ پاکستان میں مقتدر عناصر اور بیورو کریسی نے جوڑ توڑ اور مصنوعی طریقوں سے حکمرانوں اور لیڈروں کو بنانے اور بگاڑنے کا سلسلہ کافی عرصہ سے جاری رکھا ہے۔ اب لیڈر شپ مسلط کرنے اور پروجیکٹ کرنے کا یہی طریقہ کشمیر میں بھی اختیار کیا گیا ہے، جس سے خود پاکستان خراب ہوا اور صاف و شفاف اسلامی جمہوری اقدار سے دور ہو گیا۔ قوموں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو اپنے لیڈر تلاش کرنے کے لئے نیچرل پروسیس سے دور نہیں کیا جانا چاہیے۔ جبر اور لالچ کے حربوں سے لوگوں کو بھدے حکمران اور لیڈر ملتے ہیں۔ جبکہ قوموں کی امامت کا منصب ایک مقدس امانت ہوتی ہے اور فطرت کی رہنمائی میں یہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے سازشیں، سیاسی جوڑ توڑ اور نہ عسکری قاعدے زیب دیتے ہیں۔ تحریک جہاد شروع ہونے کے بعد اب تک آزاد جموں وکشمیر میں جس طرح بے بنیاد عسکری گروپ قائم کرائے گئے اور اصل قوتوں اور تاریخی عناصر کے راستے سبوتاژ جنگ سے روکے گئے،

وہ ہماری جدوجہد میں ایک الم ناک باب ہے۔ یہ رو داد ہر محب وطن اور محب آزادی کے لئے باعث شرمساری ہے۔ آج جبکہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی نصف النہار پر ہے' مختلف حریت پسند پارٹیاں' مجاہدین اور کارکن ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں' ایک ہی دشمن کے خلاف لڑنے والے عناصر ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ مجاہدین کے مختلف گروپوں کے درمیان محاذ آرائی کا سبب قسم قسم کے ہتھکنڈوں کا استعمال ہے ' جو وہ اپنا اپنا دائرہ اثر بڑھانے کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کے گروپوں اور جماعتوں کے درمیان وسائل کی ناہمواری' اور ناجائز حصول ہے' جس سے طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے۔ اس طرح زیادہ طاقتور گروپ' بے وسیلہ اور سچے گروپوں کو عسکری اور سیاسی میدانوں سے بے دخل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مجاہدین کی جن پارٹیوں کی حلیف پارٹیاں پاکستان یا آزاد کشمیر میں ہیں' ان کے لئے بڑے پیمانے پر وسائل بھی پاکستان اور آزاد کشمیر سے جاتے ہیں۔ جن سے وہ عسکری لحاظ سے مضبوط ہو گئی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تحریک آزادی کے ڈومیسٹک عناصر' جنہوں نے ابتدا سے ہی نامساعد حالات میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس تحریک کو مالا مال کیا تھا اور اس کے نرم و نازک پودے کی آبیاری کی تھی' وہ وائپ آؤٹ کئے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال آزادی کشمیر کی حقیقی اور حقدار لیڈر شپ کو دبا رہی ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے راستہ ہموار کیا جا رہا ہے' جو کشمیر کی آزادی کے خلاف تھے یا اس جدوجہد کو حالات کے رحم و کرم پر ڈالنے کے حامی تھے اور اپنی آنکھیں بند کر چکے تھے ' جن طور طریقوں کا میں حوالہ دے چکا ہوں ان کی وجہ سے بے مقصد' اوباش قسم کے لوگ ' یا کانگریس اور نیشنل کانفرنس جیسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے عناصر ہتھیار بند ہو گئے ہیں۔ اور محاذ آرائی کو بڑھاوا دے رہے ہیں' اسلامی سیرت و کردار کا فقدان گروہی تعصب عام' ذاتی مناکشات' لوگوں کے ذاتی اور گھریلو معاملات میں مداخلت' انتقام گیری اور انتقام پسندی کا جنون' قائد اور کمانڈر بننے اور رہنے کا بھوت ذہن پر سوار' سوچنے والے لوگ ہی نہیں بلکہ عام بھی حیران و پریشان ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر کشمیر کا سوال جلد از جلد طے نہ کیا گیا' تو یہ قوم مٹ جائے گی یا یہ تحریک دب جائے گی یا برصغیر ہندو پاکستان کو جنگ کی کوئی قیامت اپنی آغوش میں لے گی۔

مقبوضہ جموں و کشمیر میں آج سے تین سال پہلے بھارت سے حق خود ارادیت حاصل کرنے کے لئے جس پیمانے اور معیار کی تحریک جہاد شروع ہوئی' اس کی انٹنسٹی نے نہ صرف بھارت کے اعصاب پر ایک رعشہ طاری کردیا' بلکہ خود آزاد جموں و کشمیر کے لیڈروں کی سوچ میں بھی ایک بحران پیدا ہوا۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ آزادی کی یہ انوکھی' منفرد بے مایہ اور بے وسیلہ تحریک' حکومت آزاد کشمیر کی جدوجہد یا پولیٹکل امپریشن کی مرہون منت نہیں ہے۔یعنی جس علاقے کو بیس کیمپ کا نام دیا گیا تھا اور جس کی حکومت خود کو بیس کیمپ کی ہی نہیں بلکہ پوری ریاست جموں و کشمیر کی نمائندہ اور ترجمان کہتی ہے۔ اس کو کافی عرصے تک اس کا ادراک ہی نہیں تھا کہ اس کی عالیشان رہائش گاہوں سے چند میل پرے مقبوضہ علاقے میں عوام کے سیاسی اور سماجی شعور کی سطح کیا کہتی ہے۔ اور کن سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس لئے آج آزاد کشمیر کی حکومت جن باتوں کی خواہش کر رہی ہے یا جن اغراض کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے' ان کے لئے اس نے برسوں سے کچھ کیا ہی نہیں ہے اور نہ ہی کام کرنے والوں کی حمایت کی ہے۔ آزاد کشمیر کی حکومت کو بس اتنا ہی مانگنا چاہیے' جتنا اس کا حق بنے گا۔ اگر وہ اپنے قدو قامت سے زیادہ طلب کرے گی' تو یہ اس کی طالع آزمائی' خود غرضی اور خود فریبی ہو گی۔ آزاد کشمیر کی حکومت کسی بھی اصول سیاست یا بین الاقوامی قانون اور قاعدے کی رو سے ساری ریاست جموں و کشمیر کی نمائندہ حکومت یا قیادت نہیں ہے۔ اس نے اپنے اہم ترین فرائض اور ریاست کے کئی آزاد علاقوں سے دست برداری اختیار کرکے اپنے اختیارات کو خود گنوایا ہے اور اپنے قد کو اور بھی نیچے لایا ہے۔

ریاست گیر سطح پر دیکھا جائے تو یہ ایک اقلیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ جموں و کشمیر اور لداخ پر پہلے ہی ہندوستان قابض ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ گلگت' بلستان وغیرہ بھی آزاد کشمیر کے پاس نہیں ہیں اور نہ صرف شمالی علاقوں بلکہ آزاد خطے کے کئی ٹکڑوں کو ملانے کے لئے پاکستان کے راستے ہی استعمال ہوتے ہیں۔مجھے آزاد کشمیر میں لوگوں نے بعض اہم اور چونکا دینے والے واقعات و حقائق کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً" کہا گیا کہ حیرت اور افسوس ہے کہ جس مظلوم خطے کی آزادی کے لئے آزاد کشمیر کو بیس کیمپ کا خطاب دیا گیا اس کے دو بڑے عہدوں (صدر اور

وزیراعظم) پر مقبوضہ کشمیر کا کوئی فرد نہیں بٹھایا جاتا۔ کہتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں صدر کے منصب پر چوہدری غلام عباس' مولوی محمد یوسف شاہ اور کے۔ ایچ۔ خورشید بٹھائے گئے تھے۔ لیکن وہ سیاسی حوادث کا شکار ہو گئے۔ ان کے بعد آج تک مقبوضہ کشمیر کا کوئی شخص اس منصب پر نہ لایا جا سکا۔ جہاں تک وزیراعظم کا تعلق ہے' تو اس پر بھی آج تک کوئی مقبوضہ کشمیری منتخب نہیں ہو سکا ہے۔ میر عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ آزادی کے ابتدائی سالوں میں حکومت میں مقبوضہ کشمیر کو آزاد کشمیر سے زیادہ نمائندگی تھی۔ ۱۹۴۱ء کے الیکشن میں سٹیٹ کونسل میں قبضے کے شکار کشمیریوں اور آزاد کشمیر کے درمیان مساوی تناسب (Parity) کا اصول اپنایا گیا۔ لیکن آج مقبوضہ خطے کے لوگ اقلیت میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ اس طرح بیس کیمپ کے نمائندہ فورم میں مقبوضہ کشمیر کو ایک چوتھائی نمائندگی حاصل ہے۔ اس پوزیشن میں اسے بیس کیمپ یا انقلابی حکومت کا لقب دینا تحریک آزادی کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے۔ پھر اس کو چلانے والے لیڈروں کا یہ بلند بانگ دعویٰ کہ وہ پوری ریاست کے نمائندے اور تحریک آزادی کے ترجمان ہیں۔ ایک دوسرا جھوٹ اور مذاق ہے۔ اس کے علاوہ آزاد کشمیر کی حکومت کو لوکل اتھارٹی سے اوپر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح اقوام متحدہ کے سامنے بھی اس کی وہ پوزیشن نہیں ہے' جو ایک ایسے ٹکڑے کی ہونی چاہیے تھی' جو اپنے مرکزی خطے کی آزادی کا علمبردار ہو۔

آزاد حکومت جموں و کشمیر نے گزشتہ عشروں میں کوئی ایسی حکمت عملی وضع نہیں کی' جو آج اس کے انفرادی کردار کا حصہ قرار پاتی اور مقبوضہ کشمیر کا ہر فرد اس کے رول کی گواہی دیتا۔ مقبوضہ کشمیر کی گواہی تو دور کی بات ہے' خود آزاد کشمیر کے حریت پسند عوام بھی اس قسم کی گواہی نہیں دیتے ہیں۔

آزاد حکومت جموں و کشمیر کو یہ بھولنا نہیں چاہیے تھا کہ آزاد خطہ معتوب کشمیریوں (Victims Of Occupatio) کی جائے پناہ ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کی حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر سے آنے والے مہاجرین و مجاہدین کے راستے میں درپیش تمام قسم کی مشکلات کا ازالہ کرے اور آنے جانے والے کشمیریوں کو غربت کے احساس میں مبتلا نہ ہونے دیتی۔ کیونکہ سرینگر اور جموں مظفر آباد اور گلگت و بلتستان تک ہم سب ایک ہی ریاست کے باشندے اور شہری ہیں۔ لیکن مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر پہنچنے والے کسی کشمیری کو یہ تاثر نہیں ملتا۔ بھارتی مقبوضہ علاقے

میں بے چارہ کشمیری پاکستانی ایجنٹ قرار دیا جاتا ہے اور پاکستان یا آزاد کشمیر میں مہمان نوازی کے چند دن گزارنے کے بعد اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ ماضی میں جتنے حریت پسند آزاد کشمیر آئے ہیں' ان کے پاس تلخ تجربات کے بغیر اور کچھ نہیں ہے۔ وہ بلیک میلنگ کے شکار بنائے جاتے رہے ہیں۔ ملازمتوں کے معاملے میں بھی ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک ہوا ہے۔ پاکستان یا آزاد کشمیر کے لئے کشمیریوں کو بڑی مشکل سے ویزا ملتا ہے۔ حالانکہ کوئی کشمیری فارینر نہیں ہے۔ وہ کسی پاکستانی یا آزاد کشمیری سے بدرجہا بہتر پاکستانی ثابت ہوا ہے۔ کشمیریوں کا کہنا ہے کہ آزاد کشمیر کی حکومت نے ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا ہے' جو ہر اس شخص کو پاکستان اور آزاد کشمیر میں پیش آتی ہیں' جو مقبوضہ کشمیر سے حریت پسند' مجاہد یا مہاجر بن کر آتا ہے۔ یا وہ شخص جو چند دنوں کے لئے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے آتا ہے یا آنا چاہتا ہے۔ مقبوضہ کشمیریوں کے لئے حکومت آزاد کشمیر نے پاسپورٹ ایشو کرنے کا سوال بھی سیاسی بلیک میلنگ کا ذریعہ بنایا ہے۔

مقبوضہ کشمیریوں نے بھارت کے خلاف آزادی کی طویل جدوجہد میں اپنی ایک منفرد شناخت پروان چڑھائی ہے۔ ہم نے اپنے مشن کے لئے ہزارہا پاپڑ بیلے ہیں۔ ہم پاکستان اور آزاد کشمیر میں بھی اپنی جدوجہد کی یہ پہچان برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ بھارت سے علیحدہ ہونے بلکہ پاکستان میں شامل ہونے کی خواہش کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنی خود اعتمادی' خود داری اور آزادی رائے کو قربان کریں گے۔ ہم بہ حیثیت ایک سرفروش حریت پسند قوم کے اپنا سیاسی ڈھنگ اور جدوجہد کا طریقہ پاکستان اور نہ آزاد کشمیر کے حکمرانوں کے تابع فرمان بنانے کے لئے تیار ہیں۔ آزاد کشمیر کی حکومت کو تحریک جہاد کی خدمت کرنی چاہئے' ڈکٹیٹ نہیں کرنا چاہئے اور نہ وزیراعظم کو چاپلوسی اور جوڑ توڑ کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ اگر آزاد کشمیر کے لیڈر بھی بیورو کریٹوں کے نقش قدم پر چلنے لگیں' تو پھر بیس کیمپ کس کا نام ہو گا؟ پاکستان کے زیر ڈیفنس آزاد کشمیر کی اہمیت و افادیت مقبوضہ کشمیر کی وجہ سے ہے۔ اس کے بغیر یہ علاقہ پاکستان کی نظر میں ایک پہاڑی ضلع کے درجے پر آئے گا۔

مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کرکے پاکستان یا آزاد کشمیر آنا اور بعض لوگوں کا یہاں جدوجہد آزادی میں شریک ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جن قوموں پر ظالم حکومتیں مسلط ہوتی ہیں' وہ اپنی عزت' عصمت اور جان بچانے کے لئے نئے سرے سے جدوجہد

کرنے کے لیے بسا اوقات ترک وطن پر مجبور ہوتی ہیں۔ دنیا ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے' جن سے پتہ چلتا ہے کہ آزاد قوموں نے اجڑے ہوئے لوگوں اور معتوب سیاسی کارکنوں کو پناہ دی ہے اور آج بھی اقوام متحدہ ایسے لاکھوں انسانوں کی کفالت کر رہی ہے۔ خود پاکستان نے تیس لاکھ افغان مہاجرین اور مجاہدین اور ان کی سیاسی و عسکری جماعتوں کو دس سال تک اپنی سرزمین پر جگہ دی۔ اسی طرح پاکستان نے کردستان' فلپائن' اراکان' فلسطین اور تاجکستان کے معتوب مسلمانوں کو اپنے ملک میں ٹھہرنے کی اجازت دی۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی ملک پاکستان کے ساتھ جغرافیائی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ اس طرح اگر مقبوضہ جموں وکشمیر کے مسلمان اپنی جان' مال اور آبرو بچانے یا تحریک آزادی زیادہ سے زیادہ موثر انداز میں چلانے کے لئے آزاد کشمیر اور پاکستان کا رخ کرتے رہے ہیں' تو یہ کوئی گناہ نہ' کوئی جرم ہے۔ کیونکہ آزاد علاقہ' ریاست جموں وکشمیر کا ایک حصہ ہے اور اس کو بیس کیمپ کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء سے ہی ساری دنیا میں متعارف کیا جا رہا ہے ۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ساتھ کشمیر قریبی دینی اور دنیوی رشتوں میں بندھا ہوا ہے۔ اس ناطے پاکستان پر نہایت اہم فرائض عائد ہوتے ہیں۔ جن کو اس ملک نے ابتداء سے ہی تسلیم کیا ہے اور پاکستان پر کشمیری مسلمانوں کے کچھ بنیادی حقوق ہیں' جن کے تحت وہ سدا پاکستان کی طرف امید اور یقین کی نظروں سے دیکھتے رہے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو ہمیشہ سے پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں نہایت زور و شور سے بیان کیا ہے۔ پاکستانی عوام نے خلوص دل سے پارٹی امتیازات سے بالاتر رہ کر کشمیر کی آزادی کے لئے تحریکیں چلائی ہیں۔اگر پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں اور پاکستانی عوام کا موقف اور کشمیر کے حق میں ان کی تگ و دو آج برحق ہے' تو یہ ہمیشہ ہی حق رہے گی۔ اگر خدانخواستہ ان حکومتوں اور ان کی بیورو کریسی پر یہ کوئی بوجھ ہے' یا ان کا دل ان کی زبان کی تائید نہیں کرتا تو پھر اس کے زیر اثر تمام اقدامات ریا ہیں۔ جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اس دوسری صورت میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں اورلیڈروں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کشمیری مسلمانوں کو اپنی ترغیبات سے دیوانہ بناتے رہیں اور انہیں بھارت کے تیارہ کردہ آتش کدہ میں کودنے کے لئے ابھارتے رہیں۔ بلکہ کشمیریوں کو اپنے حال پر چھوڑیں' تمام زبانی جمع خرچ بند کریں' تاکہ کشمیری مسلمان اپنے انداز میں مشکلات سے نمٹ لیں اور بھارت کے ساتھ معاملات طے کریں' اس

طرح کہ ان کا مستقبل ہر لحاظ سے یقینی اور محفوظ بن جائے اور وہ بلیک میلنگ کی سیاست کے شکار نہ ہوں۔اس صورت میں ہم آزاد کشمیر یا پاکستان کی طرف دیکھیں گے۔ اور نہ ان کی طرف دیوانوں کی طرح دوڑیں گے۔

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی !!

آزاد کشمیر' پاکستان کے زیر نگرانی ضرور ایک حکومت ہے' لیکن اس میں مقبوضہ جموں وکشمیر یا کل ریاست جموں وکشمیر کی قیادت کی صفات نہیں ہیں۔ اس کا مینڈیٹ ہنگامی اور عارضی نوعیت کا ہے جو بجائے خود محدود ہے۔ اس حکومت نے بھارت کے خلاف کسی عزیمت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پاکستان سے اپنے اختیارات واپس حاصل نہیں کیے۔ اب جبکہ مظلوم مقبوضہ کشمیریوں نے صرف تین برس میں اپنے بے مثال اور بے وسیلہ عوامی انتفاضہ کے ذریعے بھارت کو کشمیر میں بے بس اور ساری دنیا میں بے نقاب کرکے چھوڑا' آزاد کشمیر کے حکمران دنیا بھر میں اس تحریک پر اس طرح سوار ہو گئے گویا انہیں مقبوضہ جموں وکشمیر کی تحریک جہاد کی قیادت کرنے کا مینڈیٹ حاصل ہوا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے چند افراد یا گروپوں سے راہ و رسم بڑھا کر وہ اس ورثے اور مینڈیٹ کے حقدار نہیں بن سکتے۔ دنیا کے ملکوں کا آئے دن دورہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آزاد جموں وکشمیر کے حکمران اور حواری' مقبوضہ کشمیر یا کل ریاست جموں وکشمیر کے ترجمان اور نمائندے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کی رواں تحریک جہاد نے آزاد کشمیر کا نام بھی روشن کیا اور آزاد کشمیر کے حکمرانوں کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ وہ بھی اس مومنٹ کے نام پر کسی شمار و قطار میں آ گئے' لیکن افسوس ہے کہ آزاد جموں وکشمیر کی حکومت نے بڑی تنگ نظری اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا۔

آزاد کشمیر کے حکمران' صدر' وزیراعظم اور چیف جسٹس کے عہدوں کو دیکھ کر یہ بھول گئے کہ اس علاقے کے تمام شہر اور گاؤں جموں اور کشمیر کے ٹکڑے ہیں۔ مظفر آباد' صوبہ کشمیر اور میرپور وغیرہ صوبہ جموں کا حصہ ہے۔ اگر پاکستان کی حکومت نے من مانی کرکے اس علاقے کو بھی ریاست کے شمالی علاقہ جات کی طرح کسی تحصیلدار کے رحم و کرم پر ڈال دیا ہوتا' تو یہاں کے صاحب اقتدار سیاست کاروں کو یہ سمجھ آیا ہوتا کہ بنیادی حقوق کیا ہیں' مظلوموں اور حریت پسندوں کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے ؟ اور خدا کے بے بس اور بے وسیلہ بندوں کی مجبوریوں اور محتاجیوں کا استحصال کرنا کتنا

بڑا گناہ اور المیہ ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آزاد کشمیر ایک کم آمدنی والا محتاج پہاڑی خطہ ہے۔ جس کے حکمران اور بیورو کریٹ دولت مند بن گئے ہیں لیکن عوام غریب ہی رہے ہیں جن پر امیر حکمرانوں اور ان کی نوکر شاہی کا بڑا سخت بوجھ ہے۔

آزاد کشمیر حکومت نے موجودہ تحریک جہاد میں خلوص نیت کا ثبوت نہیں دیا اس نے ہمارا راستہ روک کر اپنے لئے راستہ نکالا ہے ہمارے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے' ہمارے رول پر چھاپہ مارا اور قدم قدم پر مقبوضہ کشمیر کے حریت پسندوں کو رسوا کرنے پر اپنا سارا زور لگایا۔ بھارتی حکومت' مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں کی جن لاشوں کے انبار لگا رہی ہے' آزاد کشمیر کے حکمران اور ان کے حواری ان کشتوں کے پشتے بنا کر تمام برا عظموں میں گھوم رہے ہیں' جن حریت پسندوں نے ساری عمر بھارت کے خلاف جدوجہد میں اپنی کشتیاں جلائیں اور شمع آزادی کو فروزاں رکھا' وہ آج ان حکمرانوں کی کوتاہ بینی کا شکار ہو کر آزاد کشمیر میں بے بس ہو کر اپنی بقاء کی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آزاد کشمیر میں تحریک جہاد کے وسائل کو جس طرح جوڑ توڑ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کی مثال گزشتہ کئی دہائیوں میں نہیں ملتی۔ کاش یہ خبر ہوتی کہ یہاں کی کرسیوں پر کس قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں' تو نوجوان دیوانہ وار برف پوش پہاڑوں کو ٹھکرا کر یہاں کا رخ نہ کرتے' بلکہ بھارت کے خلاف اپنی صف آرائی کو اپنے ہی وسائل کے اندر آگے بڑھاتے۔ یہاں کا رخ کرکے ہماری تحریک ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی' ہمارے نوجوان دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئے۔ اور پالیسیاں آدرشوں کی بجائے روپے پیسے کے ذریعے بن گئیں۔ مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر تک اس دشت نوردی کا ایک فائدہ ضرور ملا کہ ہمیں یہاں کی سیاست میں غلاظت کے ڈھیروں کی موجودگی کی تصدیق ہوئی' جس کی بدبو نے یہاں کے باشندوں کی زندگی بھی مشکل بنائی ہے۔ اور یہاں کے نوجوانوں اور عسکریوں کو بھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔

اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف سے مقبوضہ جموں و کشمیر کے عوام بھارت سے آزادی حاصل کرنے اور حق خود ارادیت کے ذریعے اپنا مستقبل طے کرنے کے لئے آگ اور خون کے موسم میں ہر گھڑی ایک نئی قیامت دیکھ رہے ہیں' تو دوسری طرف آزاد جموں و کشمیر کے وزیراعظم اور بعض لیڈر ذاتی اثر و رسوخ کے لئے کشمیر میں تحریک آزادی کے ازلی دشمنوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ وہ ان

عناصر کے لئے معافی کی سندیں ڈرافٹ کر رہے ہیں' جن کی پوری زندگی کشمیر میں بھارت کے قدم مضبوط کرنے' کالے قوانین بنانے نافذ کرنے اور انتہائی سنگین نوعیت کی بدعنوانیوں کے ذریعے نیا سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے میں گزر گئی۔ آزاد کشمیری یا پاکستانی لیڈروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ہمارے وطن کے غداروں اور مخالفوں کو معاف کریں یا انہیں حریت پسندوں کے مقام پر بٹھائیں۔ ہندوستانی حکمرانوں نے کشمیر میں اپنے وظیفہ خوروں اور ایجنٹوں کے ذریعے گزشتہ ۴۶ برس میں ہمارے اوپر کیا کیا قیامتیں ڈھائیں اور تحریک پاکستان کے جرم بے گناہی کی پاداش میں ہمیں کس طرح نچلے درجے میں گرانے کی کوششیں کیں اس کا علم آزاد کشمیر کے حکمرانوں کو نہیں ہے' نہ اس ظلم و بربریت کا کوئی اثر ان ارباب اقتدار پر پڑا۔ اس لئے یہ مقبوضہ کشمیر کے حریت پسندوں اور مظلوموں کا کام ہے کہ وہ بھارت کے بڑے بڑے ایجنٹوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ آیا انہیں معاف کر دیا جائے یا ان سے بدلہ لیا جائے۔ آزادی کے بعد ہم یہ سارا کام اسلام کی روح کے مطابق انجام دیں گے۔ انشاء اللہ! لیکن بھارت کے ساتھ الحاق کے حامی لیڈروں کو ترجمانی' نمائندگی اور رہنمائی کے منصب پر نہیں بٹھایا جا سکتا جو لوگ یہ سفارش لے کر آئے ہیں ان سے ہم معذرت خواہ ہیں۔ یہ کشمیریوں کے لئے خود کشی کا پیغام ہے۔ مہربانی کر کے کشمیر کو کسی نئے بحران کے دہانے پر کھڑا نہ کیا جائے۔ آزاد جموں و کشمیر میں سیاست اور سیاسی زندگی کورپشن اور بے عملی کا دوسرا نام ہے۔ گلگت و بلستان کو فرقہ واریت اور بیورو کریسی کے عفریت نے اپنے چنگل میں رکھا ہے اور مقبوضہ کشمیر کو بھارت نے جہنم میں تبدیل کیا ہے جہاں مسلمانوں کے خلاف نسل کشی کی ایک منظم مہم جاری ہے۔ ان حالات میں حریت پسندانہ اور مجاہدانہ سیاست کے سرخیل خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہم پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکمرانوں اور سیاست دانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ کشمیر اور کشمیری عوام کو اپنی اغراض کے لئے استعمال کریں' یہاں تک کہ کشمیر اور کشمیری عوام کا نام و نشان مٹ جائے۔ پاکستان کے عوام کس طرح کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے لئے کٹ مرنے کو تیار ہیں' اس کو میں پہلے ہی ان صفحات میں خراج تحسین پیش کر چکا ہوں' لیکن آزاد کشمیر کے عوام بھی میرپور سے شمالی علاقہ جات تک جہاد کی خاطر پیش قدمی کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں' آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات بہرحال مقبوضہ ریاست کا حصہ ہیں۔ انہیں ایک نہ ایک روز ضرور اپنی

واوی شہادت کے بھائیوں کے ساتھ بغل گیر ہونا ہے۔ دیوار برلن کی طرح وہ فوجی حصار بھی مسمار ہو گی ' جس نے کشمیر کے عوام کی قسمت کو ۴۷ برس سے لٹکا کر رکھا ہے۔ آزاد کشمیر کے عوام نے تحریک جہاد ا ور مجاہدین کی جو پذیرائی اور عزت افزائی کی ہے' اس کو ہمیشہ یاد رکھاجائے گا۔ لیکن ہمیں حکمرانوں' بالا نشینوں اور استحصالی عناصر کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا ہو گا' جن کی بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کی وجہ سے ہماری قوم کے مصائب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور آزادی کا انتفاضہ صرف مقبوضہ کشمیر تک محدود ہو گیا ہے۔ اور اس کا رخ مال و دولت کی ناجائز فروانی کے ذریعے غلط سمتوں کی طرف موڑا گیا ہے۔ روپے اور اسلحہ کی بندر بانٹ کے ذریعے ناجائز طریقوں سے کشمیریوں پر جو لیڈر شپ ٹھونسی جائے گی یا کسی سرکل سے امپورٹ ہو گی' اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ کشمیر کے ساتھ ہماری تاریخ کی اصلی حریت پسند قوتوں اور عوام کی منگوں کے ساتھ مذاق ہے۔

ہمیں گزشتہ تین سال کے دوران میں جو کچھ سمجھ میں آیا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) مقبوضہ جموں وکشمیر کو بھارت کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے کوئی لچکدار رویہ ہے نہ کوئی مرحلہ وار منصوبہ اور نہ ہی حکومت کے سامنے اس کا کوئی ہدف مقرر ہے۔

(۲) جہاد آزادی کے لیے دی جانے والی مادی اور سیاسی امداد بظاہر انسانی اور اخلاقی ہے لیکن عملاً یہ سب کچھ مشروط ہے۔

(۳) بیس کیمپ آزاد کشمیر کا نظام حکومت کردار کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اترتا ہے' جو قومی آزادی کی جدوجہد کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے یہاں کی سیاسی سرگرمیاں مبہم اور بے روح معلوم ہوتی ہیں اور ان پر دکھاوے کا عنصر زیادہ غالب ہو گیا ہے۔جہاد کشمیر کے نام پر آزاد کشمیر کی حکومت اپنی پروجیکشن کا کیس بنا رہی ہے۔

(۴) تحریک جہاد کی قیادت نہایت ہی حیران کن اور پراسرار طریقوں سے غیر مستحق' غیر سیاسی' بے یقین اور پرانے مفاد خصوصی عناصر کے سپرد کی جا رہی ہے۔

(۵) کشمیری عوام بھارت کے ذریعے وحشیانہ نسل کشی کے شکار ہیں اور کشمیری حریت پسند اور مجاہد قیادتیں جوڑ توڑ اور توڑ پھوڑ کے ذریعے انجام کو پہنچائی جا رہی

ہیں۔

(۶) ایک ایسا سیاسی اور عسکری عدم توازن اور ماحول پیدا کیا جا رہا ہے جس میں مسلمانان کشمیر کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ وہی پرانی شراب مگر نئی بوتلوں میں قبول کریں۔

(۷) پاکستان کشمیریوں کے لئے اپنی حمایت کی سطح اتنی اونچی نہیں کرنا چاہتا ہے جس کا نتیجہ برصغیر میں جنگ کے شعلوں کی شکل میں ظاہر ہو۔ مشرق اور مغرب میں پاکستان کے دوست اور حلیف بھی اسے یہ مشورہ نہیں دے سکتے اور معاشی خود مختاری اور خود کفالت سے محروم پاکستان اپنے بل بوتے پر بھی ایک اور جنگ کی آزمائشوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔

(۸) پاکستان اور آزاد کشمیر میں حکومتیں اور پارٹیاں مختلف ہیجانی اور طوفانی نعرے دیتی رہیں گی لیکن یہ ساری لن ترانی اپنی اپنی بقا کے لئے ہے جس کا خطرہ دونوں کو لگا رہتا ہے۔

مندرجہ بالا تجزیئے سے میرا اصل مقصد یہ ہے کہ تحریک آزادی کے بارے میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتیں اپنے اپنے کردار کا محاسبہ کریں اور اس کے اثرات کی اہمیت کو سمجھ لیں اور مقبوضہ کشمیر کے رول کو غلط پیمانوں سے نہ جانچیں۔ اگر پاکستان اپنی کشمیر پالیسی کو سچے حریت پسند کشمیریوں کے مشورے سے بنائے تو وہ دن دور نہیں ہو گا جب خطہ کشمیر سے بھارت کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اسی طرح اگر آزاد کشمیر کی حکومت پارٹی سیاست سے بالاتر رہ کر خالص قومی اور تحریکی انداز میں کام کرے اور جہاد کے حوالے سے اپنی عادات کو بدلائے تو ان کے پرانے سہود خطا معاف ہونگے اور کسی خوددار کشمیری حریت پسند قیادت کو ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔

مجھے امید ہے کہ میری تنقید اور جائزے کو اپنے صحیح پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ کشمیر کی موجودہ تحریک انتفاضہ حالیہ تضادات سے نجات پا کر منزل آزادی سے ہم آغوش ہو۔

محمد فاروق رحمانی

جنوری ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیعنامۂ امرتسر اور آغاز جدوجہد

ہمارا وطن جموں و کشمیر کافی وقت سے سیاسی غلامی میں گرفتار ہو کر ظلم و جبر اور فریب کے دن شمار کرتا آ رہا ہے اور وقتاً" فوقتاً" اقتدار کے بھوکے اور قوم فروش عناصر رسوائے زمانہ معاہدوں کی بوجھل ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ذریعے ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر لیلیٰ اقتدار سے بغل گیر بھی ہوتے رہے ہیں ان حکمرانوں کے مٹھی بھر طفیلیوں کو الگ چھوڑ کر ہمارے عوام کی بھاری اکثریت مفلسی' بھوک اور بیماری کے چنگل میں ناقابل بیان اذیتیں اٹھا چکی ہے۔

تاریخ میں ہماری فروخت کا پہلا رسوائے عالم معاہدہ "بیعنامہ امرتسر" کہلاتا ہے ۔ جو ۱۸ مارچ ۱۸۴۶ء کو لاہور کے سکھ دربار میں سکھوں کی شکست کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز آقاؤں اور ڈوگرہ گلاب سنگھ کے درمیان طے پایا تھا۔"معاہدہ امرتسر" کی رو سے ڈوگرہ گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ نانک شاہی سکے ادا کرکے چند شرائط کے تحت ہماری مقدس سرزمین کو خرید لیا۔ جموں کے گلاب سنگھ کی قسمت کا ستارا حکمران سکھوں کی شکست نے چمکایا۔ جب لاہور کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے فاتح حاکموں نے اپنے شکست خوردہ فریق پر پنجاب کے ایک وسیع علاقہ کے علاوہ ایک کروڑ روپے کی بھاری رقم کا تاوان عائد کر دیا۔ پسپا سکھ تاوان کی نقد رقم انگریزوں کو ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اسی مفلسی اور پسپائی نے انہیں جموں و کشمیر سمیت راوی سے لے کر سندھ تک ایک وسیع علاقے سے فاتح فریق کے حق میں دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ٹھیک اسی موقعہ پر گلاب سنگھ آگے بڑھا اور اس نے فاتح انگریزوں کو ۷۵ لاکھ روپے کی نقد رقم ادا کرکے انگریزوں کی سرداری اور سرپرستی میں جموں و کشمیر' لداخ اور گلگت کے مہاراجہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ گلاب سنگھ کو تاوان کی اصل مقرر کردہ ایک کروڑ روپے کی قیمت سے ۲۵ لاکھ روپے کی چھوٹ دینے کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے فوجی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر لاہول اور کچھ دوسرے علاقے براہ راست اپنی عمل داری میں داخل کر لئے۔ اور ہم لوگ سکھوں کے چنگل سے ڈوگروں کے پنجوں میں پھنسا دیئے گئے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

مسلم کانفرنس کا قیام

آخر کار محکوم کشمیریوں کی رگوں کا خون گرم ہو ہی گیا۔ اور بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں "خون اسرائیل" جوش میں آگیا۔ ۱۹۳۱ء میں ہمارے اسلاف نے مادر وطن کی آزادی کے لئے اپنی عظیم جدوجہد کا آغاز کیا۔ جب ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہمارے اکیس سرفروشوں نے سینٹرل جیل سرینگر کی فصیل کے قریب مادر کشمیر کو اپنے قیمتی خون کا نذرانہ پیش کیا۔ اور شہیدان آزادی نے مستقبل کی نسل کو پکار کر کہا:

اب تمہارے ہاتھ اس آغاز کا انجام ہے
ہم یہاں کام آگئے آگے تمہارا کام ہے

حصول آزادی کے لئے وطن کے فدائیوں کو اتحاد' نظم اور سلیقے کی لڑی میں پرونے کی خاطر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مسلم کانفرنس ایک منصفانہ نظام حکومت کی داعی بن گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برطانوی ہند میں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں ہندو اور مسلمان ملک کی آزادی کے لئے سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ اگرچہ ابھی تک ان دو جماعتوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو محدود آئینی مطالبات کے ارد گرد ہی رکھا تھا۔

پنڈتوں کی فکر مندی اور نیشنل پیرہن

تحریک کشمیر اور جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی قیادت کو دیکھ کر کچھ دور اندیش کشمیری پنڈت بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ اسی فکر مند عنصر کے ایک فرد پنڈت پریم ناتھ بزاز نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ رابطہ استوار کر لیا۔ اور جولائی ۱۹۳۲ء میں چشمہ شاہی میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت بزاز کے درمیان پہلی طویل اور دور رس نتائج کی حامل ملاقات ہو گئی۔ پہلی ہی ملاقات میں عبداللہ کشمیر کی سیاسی تحریک میں سیکولرازم کی روح پھونکنے کے لئے تیار ہو گئے۔ دونوں کے درمیان تعلقات روزبروز گہرے ہوتے گئے' اور مسٹر بزاز کے سیاسی عقائد و افکار عبداللہ کی سیاسی زندگی کی تشکیل نو میں ایک اہم کردار ادا کرنے لگے۔ کیونکہ اب وطنی تحریک میں فکر و خیال کے سوتے کا کام مسٹر بزاز کا دماغ ہی دے رہا تھا۔ کشمیر کی سیاسی تحریک کے سوتوں اور اس کی ابتدائی شاہراہ کو تبدیل کرنے میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے بھی ایک بنیادی اور فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ اس بات کی تصدیق خود شیخ عبداللہ کے ایک بیان سے بھی

ہو رہی ہے۔ شیخ کا کہنا ہے کہ "۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں پنڈت نہرو کے ساتھ لاہور کے ریلوے سٹیشن پر میری پہلی پر کشش ملاقات ہوئی تھی جب پنڈت جی شمال مغربی سرحدی صوبہ کے دورہ پر نکلے تھے"۔

شیخ محمد عبداللہ نے اس دورے میں پنڈت جی کا مکمل ساتھ دیا تھا' اور دونوں لیڈروں کے درمیان باہمی دلچسپی کے تمام عنوانات پر گفت و شنید ہوئی تھی۔ اس یادگار سفر میں پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ مسلم کانفرنس کا مسلم تشخص بدل ڈالیں۔ اس طرح گیارہ جون ۱۹۳۹ء کو مسلم کانفرنس کی تنظیم نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دی گئی۔ اس تبدیلی سے پہلے مسلم کانفرنس کے کچھ مندوبین خاص کر چوہدری غلام عباس نے نام بدلنے کی تجویز سے پیدا ہونے والے نتائج اور اس ضمن میں کشمیر کی سیاسی تحریک کے مستقبل پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ ان رہنماؤں کو اندیشہ تھا کہ آخر کار کشمیر نیشنل کانفرنس کی تنظیم آل انڈیا نیشنل کانگریس کی داشتہ بن جائے گی۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ' پنڈت پریم ناتھ بزاز اور خود چوہدری غلام عباس نے اعلان کیا کہ کشمیر کی تحریک آزادی کو کسی بھی خارجی اثر میں دینے سے اس تحریک کو بے حد نقصان پہنچ جائے گا۔ اس لئے طے پایا کہ کہ نئی تنظیم نیشنل کانفرنس اپنے وجود کو انڈین نیشنل کانگریس اور انڈین مسلم لیگ دونوں کے دائرہ اثر و اختیار سے کلیتاً" الگ اور جدا رکھے گی۔ اس سے پہلے جب ۲۸ جون ۱۹۳۸ء کو شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے سامنے اس تنظیم کو سیکولر رنگ ڈھنگ دینے کی تجویز رکھی تو چند اراکین نے جن میں بخشی غلام محمد اور مرزا افضل بیگ بھی شامل تھے اس تجویز کی مخالفت کی تھی" لیکن شیخ عبداللہ زیادہ وقت تک اپنے وعدوں پر قائم نہ رہ سکے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لئے بغیر یا ان کے مشوروں کو نظر انداز کرکے نیشنل کانفرنس کا قبلہ انڈین نیشنل کانگریس کی طرف موڑ دیا۔ اب نیشنل کانفرنس نے کانگریس کے منصوبوں اور اس کی پالیسیوں کی تائید و حمایت میں اپنے بیانات داغنا شروع کر دیئے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر چوہدری غلام عباس نے شیخ محمد عبداللہ کو خصوصی سیشن کی یقین دہانیاں یاد دلائیں' جن میں وعدہ کیا گیا تھا کہ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس ہر قسم کی بیرونی سیاست یا مسلم لیگ اور کانگریس کے اثر و رسوخ سے آزاد رہ کر آپ اپنا مشن چلائے گی' لیکن چوہدری صاحب کو کوئی بھی تسلی بخش

جواب نہ ملا۔ اور انہوں نے نیشنل کانفرنس سے استعفیٰ دیا۔ پھر ۱۹۴۱ء میں چوہدری غلام عباس جموں کے چند رفیقوں کے تعاون سے جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے احیاء نو میں کامیاب ہو گئے۔

چوہدری صاحب کے فیصلے نے نیشنل کانفرنس کو خوف زدہ کر دیا

جب مرحوم چوہدری غلام عباس نے جموں سے سری نگر آنے اور یہاں بھی مسلم کانفرنس کو زندہ کرنے کا عزم کیا تو نیشنل کانفرنسی رہنماء اور بھی زیادہ بے ہمت ہو گئے۔ اور اس آفت کو ٹالنے کے لئے مجاہد منزل میں ان کی مسلسل میٹنگیں شروع ہو گئیں ۔ حتیٰ کہ چوہدری صاحب کے وارد سری نگر ہونے کے روز بھی مجاہد منزل میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کی میٹنگیں اور سرگوشیاں جاری رہیں لیکن سری نگر پہنچ کر وہ سیدھے راجوری کدل میرواعظ منزل گئے۔ یہ اقدام و اپروچ مسلم کانفرنس کے لئے فال نیک ثابت نہ ہوا۔ مجاہد منزل نے اب آرام کا سانس لیا۔ کیونکہ چوہدری صاحب کی کوششوں کو "بکرا" رنگ دے دیا گیا۔۔ اور نیشنل کانفرنس کے ایک لیڈر نے کہا کہ اب وہ پاؤں پھیلا کر سوئیں گے۔ اس طرح کشمیر میں مسلم کانفرنس کے احیاء نو کی تحریک سبوتاژ ہو گئی۔ اور اسے صرف نام کی زندگی ملی۔ اس کے علاوہ کشمیر میں مسلم کانفرنس کو کوئی متحرک اور ڈائنامک قائد میسر نہ ہوا۔ اور جب تاریخ کی فیصلہ کن گھڑی قریب آگئی تو مسلم کانفرنس کے نظریئے پر ایمان رکھنے والے لاتعداد کشمیری عوام کوئی تاریخ ساز رول ادا نہ کر سکے۔

تقسیم ہند اور کشمیر کا سوال

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ پیش کرکے پاکستان کے حصول کی جو تحریک شروع کی تھی' یہ اسی کا پھل تھا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے بطن سے پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت وجود میں آئی۔ یہ ریاست جموں و کشمیر کے لئے بہت نازک اور تاریخ ساز گھڑی تھی اور اس موقعہ پر ریاست کے اندر اور باہر بڑے ہی پراسرار' سنسنی خیز اور ڈرامائی واقعات پیش آرہے تھے۔ مسئلہ کشمیر کی پیدائش کے پس منظر اور تہہ منظر میں ان واقعات کا جاننا بڑی اہمیت

رکھتا ہے۔ اس وقت کے سرکردہ صحافی پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنی تصنیف "کشمیر میں آزادی کے لئے جدوجہد" میں ان واقعات کی نقاب کشائی کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مہاراجہ اور نیشنل کانفرنس کا سمجھوتہ

" نہ غیر متوقع طور پر اور نہ غیر قدرتی طور پر بلکہ صاف و صریح انداز میں ہماری تحریک آزادی کے ایک نازک موقعہ پر " شیخ عبداللہ جس نے آتش فشانی کے ساتھ مئی ۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" کی عیارانہ تحریک شروع کی تھی' اور جس میں وہ بری طرح ناکام رہا تھا' مہارجہ کو اس کے غیر جمہوری اور ناپاک عزائم میں مدد دینے کے لئے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں' ابھی جب وہ جیل کے اندر ہی تھا' اور جب مہاراجہ کے ساتھ سودا بازی کے لئے مہاتما گاندھی کے کشمیر آنے سے پہلے اس نے اپنے قاصدوں کے ذریعے مہاراجہ کو چند تجویزیں ارسال کیں جن میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر نیشنل کانفرنسی ورکروں کو رہا کیا جائے۔ اور انہیں ذاتی اقتدار کے کچھ تمغے دیئے جائیں تو وہ ڈوگرہ راج کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ جموں میں اپنے ایک دوست کے نام سب جیل بھدرواہ سے شیخ عبداللہ نے ایک خط میں مہاراجہ کو فی الفور ہند یونین کے ساتھ الحاق کرنے اور خود مختاری کے تصور سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ مسلم کانفرنس کے لیڈروں کی تمنا تھی اور یہی ان کی امید بھی تھی کہ مہاراجہ ریاست کو خود مختار رکھے گا۔ (اس خط کی ایک رپورٹ کانگریس کے نیشنل آرگن " ہندوستان ٹائمز" نئی دہلی مورخہ ۷ جون ۱۹۴۷ء میں شائع ہو گئی) ڈوگرہ تخت کی وفاداری کا یقین دلانے اور ہند کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے نظریئے کی حمایت کرنے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے نیشنل کانفرنسی لیڈروں اور کارکنوں کو رہا کیا۔ رام چند کاک کی جگہ ڈوگرہ راجپوت میجر جنرل جنک سنگھ کو وزیراعظم کشمیر مقرر کیا گیا۔ گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کو جب میجر جنرل جنک سنگھ درشن عام کے لئے سیکرٹریٹ کے صحن میں نمودار ہوگئے۔ تو نیشنل کانفرنس کے لیڈروں اور کارکنوں نے ان کی کار پر پھول برسائے اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ اور ساتھ ساتھ "میجر جنرل جنک سنگھ زندہ باد" "مہاراجہ بہادر کی جے " کے نعرے لگائے۔ دوسرے روز نیشنل کانفرنس کے پارٹی ترجمان اخبار "خدمت" نے وفاداری کی یقین دہانیاں پیش کرنے والے مظاہروں کی خبر شائع کی "۔

"بعد ازاں مہاراجہ کے پرائیویٹ سیکرٹری اور معتمد ڈاکٹر چوپڑا نے سب جیل بھدرواہ میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقات کی۔ چنانچہ مہاراجہ کے حکم سے شیخ عبداللہ کو ستمبر ۱۹۴۷ء میں سب جیل بھدرواہ سے بادامی باغ کی چھاؤنی میں منتقل کر دیا گیا۔ تین ہفتوں تک شیخ عبداللہ اور مہاراجہ کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات جاری رہے۔ اور ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شیخ عبداللہ رہا کر دیئے گئے رہائی کے فوراً" بعد شیخ عبداللہ نے اپنی بیگم صاحبہ کو ساتھ لے کر مہاراجہ کے شاہی محل میں حاضری دی اور وفاداری کی فیوڈل علامت کے مطابق مہاراجہ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔ حضوری باغ میں عوام کے ایک عظیم اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کانگریس کی تعریف اور مسلم لیگ کی مذمت کی۔ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قانون ساز یہ میں ایک سوال کے جواب میں حکومت نے اعلان کیا کہ شیخ محمد عبداللہ کو شاہی عفو (ROYAL CLEMENCY) کے تحت رہا کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی غیر ختم شدہ سزائے قید کو مہاراجہ نے معاف کیا ہے "

خود مختاری یا الحاق

"نیم براعظم ہندوستان کی تقسیم اور آزادی کے وقت ریاست جموں و کشمیر میں نیشنل کانفرنس کے بغیر اور مسلم کانفرنس کے علاوہ ملک کی تمام بڑی بڑی اپوزیشن جماعتوں نے مہاراجہ کو مسلسل یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انڈین آئین ساز اسمبلی میں کانگریس اور لیگ کے دونوں دھڑوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔۔ اور کسی ایک ساتھ شامل ہوئے بغیر غیر جانبدار رہے لیکن جس وقت مہاراجہ کی مہلک خواہش عریاں ہو گئی اور اس نے ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کر لئے سرگرم تیاریاں شروع کیں تو کشمیر کی اپوزیشن جماعتوں نے بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے مطالبے کے ارد گرد گھومنا شروع کر دیا۔ ان لیڈروں نے مہاراجہ کی ایمان داری آزمانے کے لئے اسے ایک آخری موقعہ کی تجویز پیش کی کہ بالغ رائے دہندگان میں رائے شماری کرا کے اس سوال کو حل کیا جائے۔

۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جموں و کشمیر کسان مزدور کانفرنس نے بھی پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو مسئلہ کا حل قرار دیا۔ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے ایک قرار داد پاس کر کے مہاراجہ سے مانگ کی کہ اگر اسے عوامی رجحانات کے بارے میں کوئی شک و

شبہ ہے تو وہ بالغ رائے دہندگی کے اصول کی بنیاد پر کشمیر کی ریاست میں ریفرنڈم کرائے۔ کانفرنس کی جنرل کونسل نے اس کی تائید کی۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر سوشلسٹ پارٹی نے بھی چند ماہ سے پیش آنے والے واقعات کے پس منظر میں ہند یا پاکستان کے ساتھ الحاق اور خود مختار کشمیر کے تصورات کا جائزہ لیا' پھر اس نے تینوں راستوں میں سے ایک راستے کا انتخاب یعنی پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو غریب اور پس ماندہ ریاستی عوام کی خواہشات اور ان کے بہترین مفادات کے عین مطابق قرار دیا۔ اس سلسلہ میں ایک قرار داد بھی پاس کر دی گئی۔ اسی طرح ۲۲ ستمبر ۴۷ء کو جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممتاز کارکنوں نے مسٹر حمید اللہ خان کی صدارت میں ایک کنونشن منعقد کیا اور ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔ مسٹر حمید اللہ خان نے وزیر اعظم کشمیر میجر جنرل جنگ سنگھ کے نام ایک یادداشت میں مانگ کی کہ کشمیری عوام کی بھاری اکثریت کے رجحان اور میلان کی روشنی میں ریاست کے الحاق کا سوال جلد سے جلد طے کیا جائے۔ اس نظریے کی تائید میں مہاراجہ کو سینکڑوں برقی مطالبات ریاست کے گوشے گوشے سے موصول ہوئے۔ اس کے علاوہ ہنزہ اور نگر کے راجاؤں اور گلگت کے دو سرداروں نے بھی مہاراجہ کشمیر کو وارننگ دی کہ اگر اس نے بھارت کے ساتھ شمولیت کا کوئی قدم اٹھایا تو وہ اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہے۔"

مسلم کانفرنس اور مسلمانوں پر عتاب

"جب ریاست کے الحاق کا مسئلہ طے کرانے کے لئے کشمیر کی فضائیں مختلف اپوزیشن پارٹیوں کے واحد مطالبے سے ہم آواز ہو گئیں تو مہاراجہ ہری سنگھ نے کانگریسی لیڈروں اور نیشنل کانفرنس کے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مل کر رائے عامہ کے خلاف اپنے منصوبوں کو روبہ عمل لانے کے لئے عوام دشمن اور جمہوریت کش اقدامات اٹھائے رفتہ رفتہ مہاراجہ کشمیر اور انڈین نیشنل کانگریس کے عزائم باشندگان وطن کے سامنے بے نقاب ہو گئے۔ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ممتاز رہنماؤں کا داخلہ کشمیر میں ممنوع قرار دیا گیا۔ پونچھ اور میرپور میں مہاراجہ کی افواج نے کسی اشتعال کے بغیر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اور ان کے گھر بے رحمی کے ساتھ نذر آتش کئے گئے۔ تشدد' غارت گری اور آتش زنی کے ان واقعات سے وادی کشمیر

اور ریاست کے دوسرے مسلم اکثریت والے علاقوں میں غم و غصے کی زبردست لہر دوڑی۔ جذبات میں آگ لگ گئی اور انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ جنہوں نے پونچھ کے بعد مظفر آباد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہاں بھی آزادی کا جہاد شروع کر دیا گیا۔ اس سے پہلے پاکستان کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کرنے کے بعد مہاراجہ کو اطمینان ہو گیا تھا کہ اب اس کے ڈاک و تار اور مواصلات کے محکمے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ اس نے ریاست کو بھارت میں شامل کرنے کی غرض سے بھارتی رہنماؤں سے بات چیت شروع کی۔ چند بھارتی رہنما اور چند ہندو ریاستوں کے راجے جو اپنی ریاستوں سے مسلمانوں کو نکال چکے تھے اگست ستمبر میں کشمیر آئے اور مہاراجہ سے ملے۔ تب ہندوؤں کی تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کے فوجی تربیت یافتہ دستے بھی کشمیر میں داخل ہونے لگے۔ حالات کے اس تغیر سے کشمیر کے عوام گھبرا گئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ملک کو فطری طور پر پاکستان میں شامل ہونا چاہئے ان کی مخالفت کو قابو میں لانے کے لئے مہاراجہ نے انہیں فوج کی مدد سے دبایا اور ملک بدر کرنا شروع کر دیا۔ یہ بغاوت ۲۵ اگست ۴۷ء کو نیم فوجی شکل اختیار کر گئی۔ اسی دن باغ نامی ایک مقام پر مغربی کشمیر کے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے مہاراجہ کی فوج کے خلاف ایک منظم فوجی تحریک شروع کی۔"

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

"مہاراجہ اب بھی ٹس سے مس نہ ہوا' اس نے نیشنل کانفرنس کو ہاتھ لگائے بغیر کشمیر کے ممتاز سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ اسی اثناء میں مظفر آباد میں انقلابیوں نے آزاد کشمیر حکومت کے نام سے ایک نئی انتظامیہ کا قیام عمل میں لایا۔ ۲۳ اگست ۴۷ء کو انہوں نے سری نگر کی طرف پیش قدمی کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ قافلہ دو قسم کے عناصر پر مشتمل تھا۔ ایک مہاراجہ کی فوج کے باغی مسلمان سپاہی جو کہ دوسری جنگ عظیم میں اہم محاذوں پر اپنی شجاعت و سپاہ گری کے جوہر دکھا چکے تھے اور دوسرے پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر بسنے والے قبائلی افراد۔ اب مہاراجہ اپنے کئے پر نادم ہو رہا تھا۔"

بھارت کے ساتھ الحاق اور مسلح افواج کی آمد

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں وزیراعظم ہندوستان پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنے امور مملکت کے سیکرٹری مسٹروی ۔ پی مینن کو سری نگر روانہ کیا۔ مہاراجہ قبائلیوں کی پیش قدمی کو دیکھ کر کشمیر سے فرار ہونے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ " مسٹروی ۔ پی مینن نے پہنچ کر اسے وادی چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ اس طرح ۲۵'۲۶ اکتوبر ۴۷ء کی درمیانی شب کو مہاراجہ نے سری نگر سے بھاگ کر جموں میں پناہ لی اور وادی کشمیر میں اس کا اقتدار عملاً" ختم ہو گیا۔ ادھر دہلی کی نوزائیدہ حکومت کو صورت حال پر کڑی نگاہ تھی۔ جہاں کشمیر کی بدلتی ہوئی صورت حال پر روزانہ وزارت دفاع کی ہنگامی میٹنگیں جاری تھیں۔ ۲۶ اکتوبر ۴۷ء کو مسٹروی۔ پی مینن واپس دلی لوٹے ۔ جہاں انہوں نے وزارت دفاع کی میٹنگ میں شمولیت کی لیکن وہ اسی روز دوبارہ مفرور مہاراجہ کے وزیراعظم مسٹر مہاجن کے ہمراہ جموں واپس آئے ۔ خود شیخ محمد عبداللہ نئی دہلی میں موجود تھے اور جب وزیراعظم مہاجن مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے فوجی امداد کی درخواست پر وزیراعظم نہرو کے کمرے میں مذاکرات کر رہے تھے تو وہیں کمرے کے ساتھ بیڈ روم میں شیخ محمد عبداللہ بھی ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ نے موقعہ پر ہی مہاراجہ کی پیش کردہ فوجی امداد کی درخواست کی پر زور حمایت کی ۔ ہری سنگھ کے خط مورخہ ۲۶ اکتوبر ۴۷ء کے ساتھ وہ الحاق نامہ بھی شامل کر دیا گیا تھا جو ہندوستان کی نظر میں کشمیر کے مہاراجہ کی فوجی امداد کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اپنے اس خط میں ہری سنگھ نے شیخ عبداللہ کو اپنی " رعایا" کا وزیراعظم مقرر کئے جانے کے فیصلے کا بھی ذکر کیا تھا۔ آخر کار مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے پیش کردہ الحاق نامہ منظور کیا گیا لیکن حکومت ہند نے دستاویز الحاق کو رائے شماری کے ذریعہ مشروط کر دیا۔ الحاق کی دستاویز پر ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن شیخ محمد عبداللہ اور وزیراعظم کشمیر مہرچند مہاجن نے اپنے اپنے دستخط ثبت کر ڈالے۔ اس کے آخر میں یہ طے پایا کہ جموں و کشمیر کا الحاق رائے شماری کی شرط کے ساتھ منظور کیا جائے۔ جو اس وقت ہو گی جب قانون اور نظم کی صورت حال اس کی اجازت دے یہ بھی طے پایا کہ ایک پیدل بٹالین دوسرے روز ہوائی جہاز کے ذریعے سرینگر

میں اتار دی جائے۔ اس فیصلے کو شیخ محمد عبداللہ کی کامل ترین تائید حاصل تھی " جس روز ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق منظور ہوا' اس روز نو بجے صبح انڈین یونین کی افواج ہوائی جہازوں میں سری نگر پہنچ گئیں۔ کشمیر میں ہندوستانی افواج کے اترنے اور فوجی کاروائیوں کا آغاز ہو جانے کے بعد شیخ عبداللہ بھی سری نگر لوٹ آئے۔

شیخ صاحب کی حلف برداری

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو صبح سویرے شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کے چیف ایمرجنسی آفیسر کی حیثیت سے حلف وفاداری اٹھایا۔ جس کے الفاظ یہ تھے:۔

" منکہ شیخ محمد عبداللہ ولد محمد ابراہیم ' جس کو ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا ہے' اس امر کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہزہائینس راجیشور مہاراجہ ادھیراج جی سری مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ' جموں و کشمیر کا حکمران اور اس کے وارثوں اور جانشینوں کا فرمان بردار رہوں گا' اور دیانتداری سے وہ فرائض ادا کروں گا جو مجھ پر عائد کئے جائیں گے۔" (کشمیر میں جدوجہد آزادی)

۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک شاہی فرمان جاری کر کے وزیراعظم کے عہدے پر شیخ محمد عبداللہ کی تقرری کو یکم مارچ ۱۹۴۸ء سے ہی نافذ العمل قرار دیا۔ وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے شاہی اعلانیہ کا متن ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کے سامنے رکھا۔ اس طرح شیخ محمد عبداللہ عبوری حکومت کے وزیراعظم بن گئے۔

الحاق ایک ہندو دانشور کی نظر میں

ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو بعض ہندو دانشوروں نے نامناسب تصور کر لیا تھا چنانچہ پنڈت پریم ناتھ بزاز اپنی کتاب " کشمیر میں آزادی کی جدوجہد " میں یوں رقم طراز ہیں "شیخ محمد عبداللہ نے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشمیر کے تمام عوام کا نمائندہ ہے ' ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ' جس کی نمائندگی اس کا وزیراعظم مسٹر مہاجن کر رہا تھا' مشترکہ طور پر انڈین یونین کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر رائے شماری کی شرط کے ساتھ دستخط کر لئے۔ جیسا کہ صاف ظاہر ہے کہ آزاد اور غیر جانب دار رائے شماری کی شرط کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی موقعہ پر

عمل میں لانے کے لئے نہیں تھی۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں پنجاب میں سکھ سلطنت کے سقوط پر پیش قدمی کرنے والے برطانوی سامراج نے کشمیریوں کو ایک غیر ملکی ڈوگرہ خاندان کے رحم وکرم پر چھوڑا لیکن اس غیر طے شدہ اور پسماندہ دور میں جب ملک میں سیاسی مہم بازوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ کشمیری سیاستدانوں میں ایک بھی ایسا خود غرض شخص بد دیانت نظر نہ آیا جس نے معاہدہ امرت سر پر اپنے دستخط چسپاں کر دیئے ہوں۔ اس واقعہ کے ایک سو سال بعد جب نیم بر اعظم ہندوستان پر انگریزی سامراج کو ختم کر دیا گیا جب کشمیر سیاسی طور پر بیدار ہوا تھا اور بغاوت پر تھا اور عوام نے ڈوگرہ حکمرانوں کو کشمیر سے نکال دیا تھا۔ ہندوستانی سامراج ان پر دوبارہ مسلط ہو گیا۔ اس بار کشمیریوں کی ایک مٹھی بھر تعداد جو "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کی محرک تھی اور خود کو وطن پرست اور انقلابی قرار دے رہی تھی نہ صرف دستاویز الحاق میں فریق و شریک بن گئی بلکہ اس نے اس دستاویز کو میگنا کارٹا (Megna Carta) قرار دیا۔"

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ایک اور موقعے پر ایک طویل اخباری انٹرویو میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ۱۹۴۷ء کی کارروائیوں پر یوں رائے زنی کی تھی۔ ان کا یہ انٹرویو "نصرت" لاہور ۱۹۶۰ء کے کشمیر نمبر میں شائع ہوا تھا۔

"سب جانتے ہیں کہ ہندوستان جون ۱۹۴۷ء میں مونٹ بیٹن تجویز کے مطابق مذہبی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تجویز میں کشمیر کا مستقبل بالکل واضح تھا۔ اس کے لئے پاکستان کے ساتھ الحاق کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا لیکن فوراً" کانگریسی نیتاؤں نے نتائج سے آنکھیں بند کر کے مسلمان اکثریت کی خواہش کے خلاف ہندیونین کے ساتھ ناطہ جوڑنے کے لئے اکسانا شروع کر دیا۔ اسی سال مہاتما گاندھی اگست کے پہلے ہفتہ میں کشمیر آئے اور مہاراجہ کے ساتھ بات پکی کر گئے۔ جیل میں نیشنلسٹ اراکین سے بھی بات چیت ہوئی وہ بھی اس شر انگریز تباہ کن منصوبہ کو مان گئے مہاراجہ سے کہا گیا کہ وہ غیر جانب داری کا سوانگ رچائے لیکن راج دربار کی پالیسی نے چغلی کھائی کہ ہوا کا رخ کدھر ہے عین اس موقعہ پر نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے لیڈر جیلوں میں تھے۔ اول الذکر پر بغاوت کا الزام تھا اور موخر الذکر ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں نظر بند تھے۔ نیشنلسٹ لیڈر کافی لمبی میعاد کے لئے سزا یافتہ قیدی ہونے کے باوجود اچانک رہا کر دیئے گئے لیکن مسلم کانفرنس کے رہنما جو محض نظر بند تھے، دانستہ آہنی سلاخوں کے پیچھے رکھے گئے

وہ تمام اخبارات جنہوں نے الحاق پاکستان پر زور دیا اور ہندیونین کے ساتھ ناطے کی مخالفت کی یا تو بالکل بند کر دیئے گئے یا قانونی شکنجے میں جکڑے گئے۔ بہت سارے جلا وطن ہوئے۔ صرف نیشنلسٹ لیڈر ہی مزے میں تھے یہ کھلم کھلا میٹنگیں کر سکتے تھے اور جلسے جلوس نکال سکتے تھے اسی دوران پونچھ کے نہتے لوگوں پر ڈوگرہ فوجیوں نے گولیاں برسائیں اور کئی گاؤں جلا دئے۔ یہ سارا واقعہ اگست، ستمبر اور اکتوبر میں پیش آیا۔ مہاراجہ کو ساری صورت حال سے خبردار کر دیا گیا مگر بے سود ثابت ہوا۔ ۲۳ اکتوبر ۴۷ء کو قبائلی مجبور ہو کر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے آ گئے۔ یہ بالکل خستہ اور شکستہ حالت میں تھے۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ان کو کیسے حملہ آور کہا جا سکتا۔ میں کسی قبائلی کی وحشیانہ لوٹ کھسوٹ کے انفرادی فعل کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا لیکن ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ اس اجتماعی حیثیت میں کون سا جذبہ کارفرما تھا۔ وہ صاف عیاں ہے وہ چاہتے تھے کہ کشمیری عوام کو مہاراجہ کے مظالم اور نیشنلسٹ کارکنوں کی لوٹ مار سے چھڑایا جائے۔ پھر ہمیں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہندوستانی فوجوں نے غارت گری اور عورتوں کی آبروریزی کچھ کم نہیں کی"۔

------ رائے شماری کا وعدہ

ریاست جموں و کشمیر کے الحاق اور مستقبل کے سوال پر حکومت ہند' مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ کے اصلی ارادے کیا تھے۔ ان سے قطع نظر' ہندوستانی لیڈروں نے اس وقت بہرحال عالمی رائے عامہ کو واشگاف الفاظ میں یہ اعلان سنایا تھا کہ بھارت کے ساتھ ریاست کشمیر کا الحاق عارضی ہو گا اور اس کے مستقبل کا آخری بار فیصلہ ایک آزاد و غیر جانب دار رائے شماری کے ذریعے ہی ہو گا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے بھارت کے ساتھ الحاق کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے بھارت کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنے خط مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈوگرہ ہری سنگھ کے نام مندرجہ ذیل سطریں تجویز کیں۔

" میری حکومت کی خواہش ہے کہ جب کشمیر میں امن و امان اور قانون کا نظام بحال ہو جائے اور یہ سرزمین حملہ آوروں سے خالی ہو جائے تو اس ریاست کے الحاق کا سوال وہاں کے عوام کی رائے کے مطابق حل کیا جائے"۔

اسی روز وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی کے نام مندرجہ ذیل برقیہ ارسال کیا۔

میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان ہنگامی حالات میں کشمیر کی مدد کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے ہی ہو' ہمارا نظریہ جسے ہم متعدد بار عوام کے سامنے دھرا چکے ہیں یہ ہے کہ کسی متنازعہ علاقہ یا ریاست کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی خواہش کے مطابق ہو جانا چاہئے اور ہم اب بھی اپنے اسی نظریہ پر قائم ہیں"۔

دوسرے روز وزیراعظم نہرو نے وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان کو ایک تار ارسال کیا۔ جس میں پھر یہ وعدہ دھرایا گیا کہ "کشمیر کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی خواہشات اور ان کی رائے کے ذریعے ہو گا۔" یہ دوسری بات ہے کہ بھارت کے ان الفاظ میں خلوص کی کوئی رمق موجود تھی کہ نہیں' لیکن اس کی یقین دہانی میں

سنجیدگی کا عنصر ضرور شامل تھا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ایک ٹاک براڈ کاسٹ کرتے ہوئے وزیراعظم نہرو نے پھر اس بات کی صراحت کی کہ

" ہم نے اس الحاق کو قبول کرنے اور فضا سے اپنی افواج بھیجنے کا فیصلہ تو کر لیا لیکن ہم نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ آخر کار جب امن و امان اور قانونی نظام بحال ہو جائے گا تو کشمیری عوام خود الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ ہم بحران کے لمحے میں اور کشمیری عوام کو مکمل ترین موقعہ دیئے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہ کرنے پر اصرار کرتے رہے کیونکہ آخر کار یہ معاملہ اہل کشمیر کو ہی طے کرنا تھا اور میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس تمام مدت میں یہ ہماری پالیسی رہی ہے کہ جہاں کہیں ایک یا دوسری مملکت کے ساتھ کسی ریاست کے الحاق کا تنازعہ ہو تو وہاں کا فیصلہ اس ریاست کے عوام ہی کو کر لینا چاہئے۔ اس پالیسی کے مطابق دستاویز الحاق میں ایک دفعہ (PROVISO) کا اضافہ کر لیا گیا۔"

ایک اور موقعہ پر دہلی ریڈیو سے وزیراعظم نہرو نے حکومت ہند کے وعدے کی صراحت کرتے ہوئے کہا:

" ہم نے اعلان کیا ہے کہ کشمیر کی تقدیر کا فیصلہ آخر کار کشمیری عوام کو ہی کر لینا ہے۔ ہم نے اس بات کا وعدہ کر لیا ہے اور مہاراجہ نے اس کی تائید کر لی ہے۔ نہ صرف کشمیری عوام کے سامنے بلکہ ساری دنیا کے سامنے ہم اپنے اس وعدے سے نہ منہ موڑ سکتے ہیں اور نہ کبھی منہ موڑیں گے۔ کشمیر میں امن و امان اور قانونی نظام بحال ہو جانے کے بعد ہم انجمن اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی ادارے کی بین الاقوامی نگرانی میں کشمیر میں ریفرنڈم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ایک صاف اور منصفانہ ریفرنس (Reference) کے حق میں ہیں اور ہم عوام کا فیصلہ منظور کریں گے۔ مجھے اس سے بڑھ کر زیادہ کسی منصفانہ اور واضح تر پیش کش کا تصور بھی ذہن میں نہیں ہے۔"

اقوام متحدہ کی قراردادیں

سرزمین کشمیر پر ہند یونین کی باقاعدہ افواج اور قبائلیوں کے درمیان اکتوبر ۱۹۴۷ء سے جنگ جاری تھی۔ اسی دوران ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بھارت نے انجمن اقوام متحدہ سے اپیل کی اور پہلی بار عالمی ادارہ کو کشمیر کے بارے میں پاکستان کے خلاف

لگائے گئے اپنے الزامات سے آگاہ کیا۔ اس نے ۱۹۴۸ء میں نیویئرڈے پر اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل ۳۴ اور ۳۵ کے تحت سلامتی کونسل کے صدر کو ایک مراسلہ بھیجا اور کشمیر کی سنگینی کی طرف ادارے کی توجہ مبذول کی۔ ان دفعات کی رو سے " عالمی ادارے کا کوئی بھی رکن ملک' ایسی کسی صورت حال کو حفاظتی کونسل کی نوٹس میں لا سکتا ہے' جس کے مسلسل جاری رہنے سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو"۔ کشمیر کے بحران اور جنگ پر غور و خوض کرنے کے لئے ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا' اس موقعہ پر مسٹر گوپالا سوامی آئینگر ہندوستان کے نمائندے تھے۔ ان کی معاونت شیخ محمد عبداللہ اور مسٹر این سی سیتل وارڈ نے کی۔ مسٹر آئنگر نے سلامتی کونسل کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کشمیر کے مستقبل پر اپنی حکومت کا یہ موقف زور سے دھرایا کہ " خواہ کشمیر بھارت سے الگ ہو جائے یا پاکستان میں شامل ہو یا خود مختار رہ کر اقوام متحدہ کی رکنیت کے حصول کا حق مانگے ' ان تمام باتوں کے بارے میں ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا کشمیر کے عوام کا ناقابل تنسیخ حق ہے اور یہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کشمیر میں معمول کی زندگی بحال ہو جائے"۔ پاکستان نے ہندوستان کے تمام الزامات بے بنیاد قرار دے کر مسترد کر دیئے اور مانگ کی کہ ہندوستانی افواج سمیت جو کوئی بھی بھارت سے یا پاکستان سے کشمیر میں داخل ہو گیا ہے واپس نکل جائے۔۔۔ پاکستانی نمائندے نے خبردار کیا کہ ہندوستان کی مسلح افواج کی کشمیر میں موجودگی کے دوران رائے شماری کا ڈھونگ نہیں رچایا جانا چاہئے۔ رائے شماری اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور بے خوف و خطر ماحول میں عمل میں لائی جانی چاہئے۔ آخر کار سلامتی کونسل نے ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو ایک قرار داد منظور کر کے کشمیر کے بحران کی شدت اور اہمیت کو تسلیم کر لیا۔ کونسل نے ہند اور پاکستان کو امن و امان کی راہ پر گامزن ہونے کا مشورہ دیا اور اس بات کے ساتھ اتفاق کر لیا کہ ہند اور پاکستان کے نمائندے قریب لائے جائیں اور سلامتی کونسل کے صدر کی کوششوں کے ساتھ کوئی ایسا نکتہ اتفاق تلاش کرنے کی کوشش کی جائے جس پر کشمیر کے بحران کو حل کرنے کا خاکہ استوار کیا جائے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے صدر نے بھارت اور پاکستان کے اتفاق سے ایک سہ رکنی کمیشن برائے ہند و پاکستان تشکیل دینے کی تجویز پیش کی اور اس تجویز کو سلامتی کونسل نے منظور کر لیا لیکن اس کمیشن کی تشکیل اور بھارت پاکستان کے لئے

اس کی روانگی میں تاخیر واقع ہوئی۔ ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل نے ایک اور قرار داد پاس کی جو مسئلہ کشمیر کے بارے میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس قرارداد نے تنازعہ کشمیر پر سلامتی کونسل کا موقف آؤٹ لائن کیا۔ اس کو حل کرنے کے طریقے کی سفارش کی اور یہ قرار داد اقوام متحدہ کے ان نمائندوں کے لئے ہمیشہ ہی بنیادی حوالہ کی ٹرم (Term of Reference) بن گئی جو اس وقت سے آج تک مسئلہ کشمیر کے پرامن اور دائمی حل کی کوششیں کرتے آئے ہیں۔ اس قرار داد نے اقوام متحدہ کے مجوزہ کمیشن برائے ہند پاکستان کی تشکیل تین سے پانچ کر دی۔ اور کمیشن کو فی الفور برصغیر پہنچ جانے کی ہدایت کی۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ کشمیر میں ہند اور پاکستان کے درمیان جنگ بند کرا دی جائے اور ریاست کے اندر ایسے خوش گوار حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ کشمیر کے عوام کسی قسم کے جسمانی یا نفسیاتی دباؤ کے بغیر اپنی مرضی کا آزادی کے ساتھ اظہار کر سکیں۔ آیا وہ بھارت کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں جانا چاہتے ہیں۔ قرار داد میں اس بات پر کونسل کی طرف سے اظہار اطمینان کیا گیا کہ ہند اور پاکستان دونوں کی یہ خواہش ہے کہ ہند یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کے حتمی الحاق کا فیصلہ آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے جمہوری ڈھنگ سے کیا جائے۔ قرار داد کا جز اے ریاست جموں و کشمیر میں ہند اور پاکستان پر کونسل کی طرف سے عائد کردہ ان ذمہ داریوں سے تعلق رکھتا ہے۔۔ جو امن و امان کے قیام اور فوجوں کے انخلاء سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا جز بی رائے شماری ' ناظم رائے شماری اور اس کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے اس نے تجویز کیا کہ ریاست جموں و کشمیر کی ایک کولیشن کابینہ تشکیل دی جائے جس میں ریاست کے تمام بڑے بڑے سیاسی گروپوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ مجوزہ رائے شماری کے دوران آزادی اور غیر جانب داری کو یقینی بنانے کی خاطر ایک ناظم رائے شماری کی نامزدگی کی سفارش کی گئی جو رائے شماری کروانے کے لئے تمام ضروری اختیارات سے لیس ہو۔ اس کے ساتھ ہی مہاجرین کی اپنے اپنے گھروں میں واپسی ' سیاسی قیدیوں کی رہائی اور سیاسی آزادی کی بحالی کے لئے بھی اقدامات کرنے کو کہا گیا۔ کمیشن کو ریاست میں رائے شماری کے دوران اپنے مشاہدین متعین کرنے کی اجازت دی گئی تا کہ آخر کار سلامتی کونسل کو یہ رپورٹ دی جائے کہ آیا رائے شماری آزادی اور غیر جانب داری کے ماحول میں ہوئی یا نہیں۔

اقوام متحدہ کا کمیشن

سلامتی کونسل کے کمیشن نے ۱۵ جون ۴۸ء کو جنیوا میں اپنی میٹنگ بلائی۔ یہ کمیشن پانچ ارکان پر مشتمل تھا جس میں پاکستان نے ارجن ٹائن ۔ ہندوستان نے چیکو سلویکیہ' خود سلامتی کونسل نے کولمبیا اور بلجیم اور کونسل کے صدر نے امریکہ نامزد کر دیئے تھے کمیشن نے اپنے لئے قواعد و ضوابط مرتب کیے اور اس کے ابتدائی چند روز کمیشن کے لئے ایک آفیشل نام تلاش کرنے کی رسم بازی میں گزر گئے۔ کیونکہ یہ بھی ایک پیچیدہ سوال تھا۔ کمیشن کو ڈر تھا کہ کہیں کوئی ایسا نام منظور نہ ہو جائے جس کے ذریعے ہند یا پاکستان کو غیر ارادی اور غیر شعوری اشتعال ملے۔ آخر کار اس کے لئے "اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہند و پاکستان" کا نام چن لیا گیا۔ ۵ جولائی ۴۸ء کو کمیشن ایک چارٹر جہاز میں سوار ہو کر کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کے تین روز بعد کمیشن دہلی گیا۔ کراچی اور نئی دہلی میں ہند اور پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ طویل مذاکرات کرنے' ان کے تند و تلخ الزامات سننے اور بہت ساری ناکام کوششوں کے بعد آخر کار کمیشن نے ایک ریزولیشن مرتب کیا جسے اس نے جمعہ کے روز ۱۳ اگست ۴۸ء کو منظور کر لیا۔ اس قرار داد کا جز اول ہند اور پاکستان کی طرف سے کمیشن کو دی گئی ان یقین دہانیوں سے تعلق رکھتا ہے جن کی رو سے جنگ بند کر دی جائے گی دوسرا جز عارضی صلح کی شرائط اور کمیشن کیطرف سے پیش کردہ سفارشات کو شمار کرتا ہے اور اس قرار داد کا تیسرا حصہ کشمیر کے مسئلہ الحاق سے متعلق ہے جس کی رو سے کمیشن نے بھارت اور پاکستان سے سفارش کی کہ وہ ایک بار پھر اپنی اس خواہش کا اعادہ کریں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے اور دونوں ممالک اس بات کو تسلیم کر لیں کہ وہ دونوں کمیشن کے ساتھ صلاح و مشورہ کر لیں گے تاکہ ایک آزادانہ اظہار رائے کو یقینی بنانے کے لئے جائز اور منصفانہ حالات پیدا کئے جائیں۔

سری نگر میں کمیشن کی دریافتیں

یہ ایک شام کا واقعہ ہے جب سری نگر کے مشہور اور دل فریب شالیمار باغ میں شیخ عبداللہ نے کمیشن کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ بعد میں کمیشن کے ایک رکن ڈاکٹر جوزف کاربل نے ان کے ساتھ کچھ چہل قدمی بھی کی اور شیخ عبداللہ نے تحریک کشمیر اور مسئلہ الحاق پر ڈاکٹر کاربل کو اپنے انداز میں کچھ واقفیت بھی فراہم کر

دی۔ شیخ عبد اللہ نے مسٹر کاربل کو بتایا کہ ایک مسلمان لیڈر ہونے کے باوجود میں سیکولر ازم اور غیر فرقہ واریت پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میرے پیروکار کشمیری عوام کا کیا کیا جائے جنہیں اسلام کے ساتھ متعصبانہ وابستگی ہے۔ پاکستان ایک قدامت پرست ملک ہے اور مجھے اس بات پر پورا یقین ہے کہ پاکستان میں کشمیر کی شمولیت سے کشمیر کے مفادات کو زک پہنچے گی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ہند میں کشمیر کی حالت بہتر رہے گی لیکن میں کیا کر سکوں گا اگر عوام کے جذبات نے کشمیر کو میرے صحیح فیصلہ کے خلاف ڈال دیا۔ مسئلہ الحاق پر اپنی بے چارگی کو ظاہر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا "میں نے کشمیر کے سوال پر تین امکانی حل پیش کئے ہیں' پہلا یا دوسرا ۔ بھارت یا پاکستان کے ساتھ رائے شماری کے ذریعے الحاق لیکن تین سال سے کم وقت میں یہ ممکن نہیں بن سکے گا کیونکہ ملک تباہ ہو چکا ہے اور لوگ بے گھر ہو گئے ہیں پھر بھی یہ ممکن نہ ہو گا کہ ایک ایسی آبادی سے غیر جانبداری کے ماحول میں فتویٰ حاصل کر سکیں۔ جو وسیع اور عریض رقبے پر بکھری پڑی ہے اور خوف و ہراس کی شکار بھی ہے کیا اس قسم کی رائے شماری جمہوری ہو گی اور کیا بھارت اور پاکستان عوام کے فیصلہ کو قبول کریں گے؟

"کشمیر کا تیسرا حل خود مختاری ہے' جو بھارت' پاکستان' افغانستان' چین اور سوویت روس کی مشترکہ گارنٹی سے ممکن ہے۔ میں آزاد کشمیر کے لیڈر غلام عباس سے ملنے کے لئے بھی تیار ہوں جس کے ساتھ میں دوستی اور مشترکہ جدوجہد کے رشتوں میں پیوست ہوں۔ ہم جیل میں اکٹھے رہ چکے ہیں لیکن کیا ہمارے طاقتور پڑوسی ہمیں خود مختاری کی گارنٹی دیں گے؟ مجھے اس بات پر شبہ ہے کہ آیا یہ زیادہ دیر باقی رہے گی۔"

آخر پر شیخ محمد عبداللہ نے یہ نتیجہ نکالا۔۔

"اب میری رائے میں اس سوال کا صرف ایک حل باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے تقسیم۔ اگر یہ حل حاصل نہ کیا گیا تو بھارت پاکستان جنگ جاری رہے گی وہ اس لڑائی کو طول دیں گے اور ہمارے عوام کے مصائب بھی بڑھتے رہیں گے۔"

ڈاکٹر جوزف کاربل کی رائے میں کمیشن یہ جانتا تھا کہ پاکستان کسی ایسی تقسیم کو مسترد کرے گا جس کے ذریعے وادی کشمیر بھارت کو دی جائے کیونکہ اسے پوری طرح یقین ہے کہ کشمیری عوام الحاق پاکستان کو ترجیح دیں گے کشمیر میں کمیشن کے مشاہدات

بھی اس رائے کی غمازی کر رہے تھے۔ اس دعوے کی تائید کمیشن کے مندرجہ ذیل خیالات کر رہے ہیں۔

"کشمیر میں کمیشن کی موجودگی کے دوران بہت سارے کشمیری چھپ چھپ کر اور بار بار کمیشن کے ممبروں تک الگ الگ یا خود سکریٹریٹ تک رسائی حاصل کرتے رہے۔ سادہ، معتدل مزاج اور شریف کشمیریوں نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ کمیشن پر وہ بے قراری عیاں کر دی جس کے ساتھ وہ اب تک کمیشن کی آمد کا بے تابانہ انتظار کر رہے تھے۔ دکانوں پر، گلیوں اور کوچوں میں اور بہت ساری خواتین، نوجوان انجمنوں اور بے نام افراد کے مراسلات کے ذریعے کمیشن سے استدعا کی گئی کہ وہ کشمیر میں موجودہ تباہیوں کو ختم کر دے، سیاسی دہشت اور کرپشن کو مٹائے، اور اس کے لئے آزادی رائے ممکن بنائے۔"

"ایک صبح حکومت نے ہمارے لئے بارہ مولہ کے لئے ایکسکوشن کا بندوبست کر دیا۔ ایک طرف سے انسان کو یہاں قبائلیوں کے وحشیانہ حملے کے نشانات مل رہے تھے..... کمیشن جگہ جگہ گیا۔ اس کے ارد گرد پولیس تھی اور پیچھے لوگ چل رہے تھے۔ ایک جگہ ایک میٹنگ کا اہتمام ہو گیا تھا اور کوئی شخص بول رہا تھا۔ ہجوم کے اندر یہ نعرے لگ رہے تھے۔ "بھارت، کشمیر اور شیخ عبداللہ زندہ باد" ------ "الحاق ہند اور کشمیر پائندہ باد" ------ جس نے کبھی کسی مطلق العنان سلطنت کے سائے میں زندگی گزاری ہو بہ آسانی پہچان سکا کہ لوگوں کے "رضامندانہ" اظہار اور نعروں کو منظم کرنے کے طور طریقے بالکل وہی تھے۔ جو ایک مطلق العنان دنیا میں رائج ہیں۔" (دی ڈینجران کشمیر جوزف کاربل)

"اسی اثناء میں ایک جگہ ایک نوجوان نے پولیس کا گھیرا توڑ کر کمیشن کو ایک کاغذ پھینکا اور انگریزی میں چلاکر کہا "میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ ہم پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔" پولیس نے اسے فوراً پکڑ لیا لیکن ہجوم میں اس کی آواز سنائی دے رہی تھی ---- "پاکستان زندہ باد" ---- کمیشن کے لئے یہ ایک خلل انداز منظر تھا کیونکہ اسے یقین دلایا گیا تھا کہ کشمیر میں لوگوں کو سیاسی آزادی حاصل ہے۔ چنانچہ کمیشن نے اپنے میزبان ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کہا کہ اس نوجوان کو بلایا جائے اور ہمارے روبرو پیش کیا جائے۔ چند منٹوں کے بعد ہمارے سامنے ایک آدمی لایا گیا لیکن یہ وہ نوجوان نہ تھا جس نے ہمارے ساتھ پہلے بات کی تھی۔ اس نے خود بھی اس

بات کا اقرار کر لیا --- "جی ہاں" ---- اس نے کہا "میں کوئی اور آدمی ہوں۔ میرا دوست قید میں ہے لیکن کوئی بات نہیں میں بھی آپ کو وہی بات کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔"

"واپسی پر سری نگر میں اسی روز دوپہر کے بعد ہمیں ایک اور ہی تاثر ملا۔ ہم ایک پرانی مسجد میں گئے جہاں لوگ عقیدت سے شیخ عبداللہ کی تبلیغ سن رہے تھے۔"

فوجی افسروں سے کمیشن کی ملاقاتیں

سری نگر اور دوسرے مقامات پر ہم نے ہندوستانی افسروں کے ساتھ ملاقاتیں کیں انہیں جنگ لڑنے کی ہمت ہی نہ تھی۔ نہ انہوں نے حکومت کشمیر کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی چھپائی۔ ان میں بعض افسروں نے جن کی کالی چمڑی اس بات کی علامت تھی کہ وہ جنوبی ہند سے آئے ہیں۔ تنازعہ کشمیر کے بارے میں مکمل بے التفاتی کا مظاہرہ کیا ان کا کہنا تھا کہ انہیں کبھی بھی کشمیر کے ساتھ جذباتی وابستگی نہ تھی اور نہ وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کشمیر کو کس وجہ سے بھارت کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔"

جنگ بندی

۲۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کمیشن حفاظتی کونسل کو اپنی رپورٹ دینے کے لئے برصغیر ہند و پاکستان میں مایوس ہو کر سری نگر سے جنیوا لوٹا۔ تاہم کمیشن نے اپنی کاوشیں ترک نہ کیں اس نے پیرس کے امید افزا بین الاقوامی ماحول میں اپنا کام برابر جاری رکھا اور اپنی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی قرار داد کے ساتھ جوڑنے کے لئے ایک اور تجویز کا مسودہ تیار کیا جس میں رائے شماری کی مانگ پر مزید یقین دہانیاں مرتب کر دی گئیں۔ کمیشن نے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا:

"بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ ایک آزاد اور غیر جانب دار رائے شماری کے جمہوری طریقے سے کیا جائے گا۔"

اس تجویز میں رائے شماری کے ناظم کی نامزدگی کی دفعات شامل تھیں، "جو ایک اونچے بین الاقوامی امتیاز کا مالک اور ایک اثر انداز شخصیت رکھتا ہو" آخر کار اپنے اپنے اعتراضات اور اختلافی ریمارکس درج کرانے کے بعد ہند اور پاکستان کی

حکومتوں نے تجویز کو قبول کر لیا اور اس سمت میں پہلے اقدام کے طور پر دونوں حکومتوں نے کشمیر میں جنگ بندی کا حکم جاری کر دیا جو یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو ایک منٹ نصف شب سے پہلے نافذ العمل ہو گیا۔ اس وقت سر رائے بوچر ہند کے اور سر ڈگلس گریسی پاکستان کے کمانڈر انچیف تھے۔

۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو کمیشن نے لیک سیکسس میں ایک اجلاس کیا اور اپنی تجویز کو ایک قرار داد کی رسمی صورت سے نوازا کمیشن کی تمام ایک سو تیرہ ۱۱۳ نشستوں کا حصول یہ تھا کہ اس نے اپنے تمام فیصلے اتفاق رائے سے منظور کروائے۔

۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کی رپورٹوں اور جنرل اے جی ایل میکناٹن کی ہند پاک نمائندوں کے ساتھ مذاکرات کی تفصیلات کو وصول کرنے پر ایک قرار داد پاس کی اور ہند پاک حکومتوں کے مدبرانہ اقدامات کی سراہنا کی ۔ جن کے تحت انہوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کی ۱۳ اگست ۴۸ء اور ۵ جنوری ۴۹ء کی قرار دادوں کے تحت ایگریمنٹ کئے تا کہ آخر کار جنگ بندی اور فوجوں کے انخلاء کے بعد کشمیری عوام کا مستقبل ان کی رائے سے ایک آزاد و غیر جانب دار رائے شماری کے جمہوری ڈھنگ سے طے کیا جائے۔"

آئین ساز اسمبلی پر رد عمل

۳۰ مارچ ۵۱ء کو انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد پاس کی جس میں قرار پایا کہ اب جبکہ سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کے نمائندہ برائے ہند و پاکستان جس کو حفاظتی کونسل کی قرار داد مورخہ ۱۴ مارچ ۵۰ء کے تحت برصغیر کے مشن پر مامور کر دیا گیا تھا' سر اوون ڈکسن کی رپورٹ کو وصول کر کے نوٹ کر لیا ہے' نیز یہ مشاہدہ کر لینے کے بعد کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کی ۱۳ اگست ۴۸ء اور ۵ جنوری ۴۹ء اور سلامتی کونسل کی ۱۴ مارچ ۵۰ء کی قرار دادوں کو منظور کر لیا ہے اور دونوں نے اپنی اس خواہش کا پھر سے اعادہ کر لیا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کی قسمت کا آخری فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے جمہوری ڈھنگ سے طے کیا جائے اور اس بات کا مشاہدہ کر کے کہ ۲۷ اکتوبر ۵۰ء کو آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل

کونسل نے ایک قرار داد کے ذریعے کشمیر میں ایک دستو ساز اسمبلی کے قیام کی سفارش اس مقصد سے کی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کی صورت متعین کی جائے ۔۔۔۔۔۔۔" اس لئے متعلقہ حکومتوں اور حکام کو سلامتی کونسل کی قرار دادوں مورخہ ۲۱ اپریل ۴۸ء ۳ جون ۴۸ء اور ۱۴ مارچ ۵۰ اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو و پاکستان کی تجاویز مورخہ ۱۳ اگست ۴۸ء اور ۵ جنوری ۴۹ء کا اصول یاد دلایا گیا کہ آخر کار کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیر کے عوام کی خواہشات کے تحت اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور غیر جانب دار رائے شماری کے ذریعے کیا جائے گا۔

قرار داد میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ " آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس " کی جنرل کونسل کی سفارش کے تحت ایک دستور ساز اسمبلی کی تشکیل اور اس اسمبلی کی طرف سے کشمیر کے مستقبل اور الحاق کے بارے میں کسی اقدام کی کوشش خواہ وہ ساری ریاست کے بارے میں ہو یا اس کے کسی ٹکڑے کے لئے اس طریقہ کار کا نعم البدل تسلیم نہیں ہو گا جو مندرجہ بالا اصول کے تحت وضع کیا جا چکا ہے۔

معاہدہ دہلی ۱۹۵۲ء

ایک طرف سے بھارت اقوام متحدہ میں دنیا کے نمائندوں کے سامنے ریاست کشمیر میں رائے شماری کرانے کا اپنا وعدہ مسلسل دہراتا رجا رہا تھا اس کے لیڈر اپنے بیانات کے ذریعے اہل کشمیر کو حق خود ارادیت کے استعمال کا یقین دلا رہے تھے۔ تو دوسری طرف حکمران شیخ محمد عبداللہ کے ذہن میں یہ خدشہ بھی روز بروز تقویت حاصل کرتا جا رہا تھا کہ اگر اس نے ہند کشمیر الحاق کے اپنے موقف پر اصرار برابر جاری رکھا تو وہ آہستہ آہستہ اپنے ہم وطنوں سے جدا ہو جائے گا اور سری نگر میں دہلی کی ملٹری قوت کے رحم و کرم پر رہ جائے گا۔ خود کشمیر کے اندر بھی ان کے لئے حالات ناساز گار بن رہے تھے اور ان کے ذہن اور دل کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ عوام کے اصلی موقف رجحان اور اپنے ہی ذہنی اضطراب کی وجہ سے گومگو کی حالت میں تھے لیکن اس کرب و بلا سے اپنی جان کو اور اپنے عوام کو نجات دلانے کے لئے انہیں الحاق پاکستان کی صورت میں ایک متبادل راہ منظور نہ تھی۔ کیونکہ برسوں سے ان کی طبیعت کا سانچہ کسی اور ہی قالب میں ڈھل کر تیار ہو چکا تھا۔ بہر حال نئی دہلی کے سیاست دان اپنے کشمیری دوست اور حلیف کی موجودہ ذہنی کشمکش پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھے وہ اس بات کی تیاری کر رہے تھے کہ اس سے پہلے کہ ان کا حلیف اپنی انا کی حفاظت کے لئے ایک کھلا حریف بن کر کسی نئے فتنے کو جنم دے کیوں نہ اسے دستاویز الحاق کے سرچشمہ قوت سے کاٹ کر ایک خالص دستوری جال میں پھنسا دیا جائے اور یوں کشمیر کے بین الاقوامی سوال کو ایک قومی سوال میں تبدیل کر دیا جائے۔

ستمبر ۴۹ء میں سری نگر میں نیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس ہوا۔ اس موقعہ پر مختلف تقریبیں منعقد کی گئیں کئی جلسے منعقد کئے گئے اور قراردادیں پاس کی گئیں۔ وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لعل نہرو خود بھی ان میں شریک ہوئے۔ ان تمام تقریبات میں جب کہ سری نگر کو نیشنل کانفرنس کے ہل والے جھنڈے سے آراستہ کیا گیا تھا جس نے ریاست کے شاہی جھنڈے کی جگہ لی تھی بھارت کے قومی جھنڈے کا کہیں کوئی وجود ہی نہ تھا۔ ہند کے قومی جھنڈے کی عدم موجودگی کی طرف دہلی کے اخبارات نے اشارہ کیا اور خود پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اس صورت حال کو نوٹ کر لیا ہو

گا۔ خاص کر اس وقت جب نیشنل کانفرنس نے ایک قرارداد منظور کر کے اس امر کا اعادہ کیا کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست کی اٹونامی پر کسی قسم کی پابندی کو قبول نہیں کرے گی۔ قرارداد میں نیشنل کانفرنس کے پیش کردہ "نیا کشمیر" کے پروگرام پر پھر سے تجدید ایمان کیا گیا اور ساری دنیا کے حریت پسند عوام اور تمام ممالک میں سچے جمہوریت پسندوں کے ناقابل تنسیخ بھائی چارے سے اپیل کی گئی کہ وہ ہمارے نصب العین کو اپنی اخلاقی اور مادی مدد سے نوازیں۔" کانفرنس نے اعلان کیا کہ "کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرے گا کہ فرقہ واریت کے بد صورت عناصر بھارت میں اپنا سر اونچا کر رہے ہیں۔"

نئی دہلی کے بہت سارے سیاست دانوں نے شیخ عبداللہ کے خیالات پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور حکومت ہند نے کئی بار شیخ عبداللہ کو ہندوستان کے دوسرے راجواڑوں کے نقش قدم پر چل کر بھارت میں ضم ہونے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کیں لیکن یہ ناکام ہو گئیں------- بھارت اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان اسی کشمکش کے دوران نئی دہلی میں ہند کی دستور ساز اسمبلی نے ۳۷۰ کی شکل میں مملکت کے آئین میں ایک دفعہ کا اضافہ کر دیا جس کی رو سے دستور ہند کی دفعہ ۲۳۸ جو سابق راجوں اور مہاراجوں کی ریاستوں سے تعلق رکھتی ہے ریاست جموں و کشمیر پر نافذ نہیں ہو سکتی ۳۷۰ کے ذریعے ہندوستان کی پارلیمنٹ نے ریاست جموں و کشمیر کو ہند یونین کے اندر خصوصی مقام دے دیا۔ اس دفعہ نے ایسے معاملات پر جو یونین لسٹ اور متفقہ فہرست میں درج ہیں ہند پارلیمنٹ کے لئے قوانین سازی کے اختیارات محدود کر دیئے لیکن مختلف حلقوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حکومت ہند کے ترجمان گوپال سوامی آئنگر نے امید ظاہر کی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر بھی اسی قسم کے ادغام کے لئے تیار ہو جائے گا جو باقی ریاستوں میں عمل میں آ چکا ہے۔

ادھر کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ اپنی پوزیشن کو مضبوط بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اکتوبر ۵۰ء میں نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرار داد پاس کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کی شکل اور اس کی وابستگیوں کو متعین کرنے کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے۔" اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل نے اس کو اقوام متحدہ

کی قرار دادوں کی خلاف ورزی قرار دیا اور ہندوستان کے نمائندے نے عالمی ادارہ کو یقین دلایا کہ ان کا ملک مجوزہ دستور ساز اسمبلی کے کسی قسم کے فیصلہ الحاق کا پابند نہیں ہوگا۔ حکومت کی ہدایات کے مطابق مئی ۵۱ء میں کرن سنگھ نے دستور ساز اسمبلی کے قیام کے لئے ساری ریاست میں عام انتخابات کروانے کا فرمان جاری کر دیا ۱۹۵۱ء کے موسم گرما میں حکومت انتخابات کے لئے تیار ہو گئی۔ ستمبر' اکتوبر ۱۹۵۱ء میں ان کا انعقاد عمل میں لایا گیا اور مجوزہ دستوریہ کے لئے ۷۵ کی ۷۵ سیٹوں کے لئے حکمران نیشنل کانفرنس کے امیدواروں کے بلا مقابلہ انتخاب کا اعلان کیا گیا۔ مقابلہ کی جرات کرنے والے دو آزاد امیدواروں کو دھونس اور دھاندلی کے ذریعے میدان سے ہٹا دیا گیا۔ اس انتخابی فراڈ پر رائے زنی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کے ایک ممتاز رکن ڈاکٹر جوزف کاربل نے لکھا۔

"کوئی ڈکٹیٹر بھی اس سے بہتر نہ کر سکتا تھا"

۳۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو آئین ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ ۲۰ نومبر ۱۹۵۱ء کو دستوریہ نے۔۔۔۔ جموں و کشمیر دستور ایکٹ مجریہ ۵۱ء " پاس کر کے مہاراجہ کو اس کے تمام اختیارات سے محروم کر دیا' اور دفاع' خارجی امور اور رسل ورسائل کو چھوڑ کر تمام دوسرے معاملات میں ریاست کی اٹانومی کے فیصلے کا اعادہ کر لیا۔

کشمیر میں اپنے لئے ایک سپریم آئینی مقام تلاش کر لینے کے بعد مارچ ۵۲ء میں شیخ محمد عبداللہ نے "آزاد کشمیر کے عوام سے اپیل کی کہ وہ پاکستان سے الگ ہونے کے لئے جدوجہد کریں اور ۱۰ اپریل ۵۲ء کو رنبیر سنگھ پورہ جموں میں انہوں نے ہندوستان کے خلاف زبان کھولی۔ وزیراعظم نے فرقہ پرستی کے لئے ہندوستان کی مذمت کی' اور کشمیر پر ہندوستانی آئین کلی حیثیت میں نافذ کرنے کی کوشش کرنے والوں کو متنبہ کیا۔ شیخ عبداللہ نے ان سب ہی کوششوں کو غیر حقیقت پسندانہ طفلانہ اور پاگل پن قرار دیا "۔۔۔۔ اس تقریر سے ہندوستان میں ایک کہرام اٹھا چنانچہ شیخ محمد عبداللہ نے ایک ملائم تقریر سے پنڈت نہرو اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ خود نئی دہلی جانے سے کئی ماہ تک انکار کرتے رہے' اور انہوں نے اپنے دست راست مرزا محمد افضل بیگ کی سرکردگی میں نئی دہلی ایک وفد روانہ کیا۔ حکومت ہند کے نمائندوں اور ریاستی حکومت کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں ایک معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ جسے ہم معاہدہ دہلی ۵۲ء یا نہرو عبداللہ معاہدہ

کے نام سے جانتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دستور ہند میں دفعہ ۳۷۰ شامل کرنے اور معاہدہ دہلی ۱۹۵۲ء تحریر کرنے سے پہلے ایک روز مذاکرات کے دوران وزیراعظم نہرو نے مسکراہٹوں کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ سے کہا تھا' ارے! ہم آپ کو سنہری زنجیروں سے باندھیں گے' آپ کوئی فکر نہ کیجئے۔۔۔" اس سے بڑھ کر ہم میں سے جن لوگوں نے ہندوستان کے سابق وزیر جنگ مسٹر وی پی مینن کی کتاب۔ " دی سٹوری آف انٹیگریشن۔۔۔" کا مطالعہ کیا ہوگا انہوں نے مسٹر مینن کا یہ ریمارک ضرور نوٹ کر لیا ہو گا۔۔۔" ہم نے کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا فیصلہ اس بات کے پیش نظر کر لیا کہ کشمیر ہندوستان کی سالمیت کے لئے ضروری ہے۔۔"

وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء کو لوک سبھا میں معاہدہ دہلی کی دفعات کا اعلان کیا۔ جس پر ایک ہفتے کی گفت و شنید کے بعد انہوں نے دستخط کئے تھے۔ خود وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے ۱۱ اگست ۵۲ء کو اس معاہدے کی تفصیلات اپنی آئین ساز اسمبلی کے سامنے رکھ لیں۔ معاہدے کی رو سے کشمیر کو چند مستثنیات کے ساتھ دستور ہند میں شامل کردہ بنیادی حقوق دیئے گئے۔ ہندوستانی سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار ایک محدود دائرے تک یہاں بڑھایا گیا۔ ریاستی حکومت نے بھارت کے قومی جھنڈے کو سپریم تسلیم کر لیا اور ساتھ ساتھ ریاستی جھنڈے کو بھی برقرار رکھا۔ معاہدہ دہلی کی سب سے اہم دفعہ کا تعلق بھارتی صدر کے ایمرجنسی اختیارات سے ہے۔ دستور ہند کی دفعہ ۳۵۲ کے تحت صدر' حملہ' بیرونی خطرہ یا داخلی ابتری کی صورت میں ملک میں ہنگامی حالات نافذ کر سکتا ہے لیکن معاہدہ دہلی کی رو سے صدر ہند کشمیر پر ایسا کوئی فرمان اسی وقت جاری کر سکتا ہے۔ جب اسے ریاستی حکومت کی طرف سے استدعا کی جائے یا اس کی منظوری حاصل ہو۔

بہرحال معاہدہ دہلی کو کتنا بھی خوب صورت بنا کر پیش کیا گیا ہو' اس عظیم اور منصفانہ جدوجہد کے مقابلے میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے جس کی تائید و حمایت اور حصول کے لئے بہادر اقوام اپنی مٹی اور پانی کو لہو سے رنگین کر چکی ہیں' اور انجمن اقوام متحدہ کی تاریخ کے صفحات گواہ ہیں

معاہدہ دہلی پر دستخط ہو جانے کے بعد طرفین نے اطمینان کا سانس لیا نئی دہلی اس لئے کہ وہ کشمیر کے بین الاقوامی سوال کو اپنا گھریلو سوال بنوانے کی کوششوں کا

ایک مرحلہ جیت گیا۔ اور شیخ عبداللہ نے اس وجہ سے کہ اب مرکز اس کے ساتھ آسانی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکے گا۔ اور اس کی حیثیت تمام ریاستوں میں ایک ممتاز حکمران کی طرح ہو گی۔ لیکن بعد میں جو واقعات سامنے آگئے ان سے ثابت ہو گیا کہ دستور ہند میں وزیراعظم نہرو نے یہ سب کچھ اس لئے مان لیا تھا کہ وہ اپنے حلیف شیخ عبداللہ پر ایک لمبے وقفے تک اپنا نفسیاتی اثر ڈالنا چاہتے تھے اور کشمیر کو معاہدات کے لفظی گورکھ دھندے میں پھنسا کر اپنے بنیادی نصب العین سے بہت دور لے جانا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ الحاق اس قدر غیر فطری تھا اوراس نے کشمیری عوام اور انجمن اقوام متحدہ کے اعتماد کو اس قدر ٹھیس پہنچائی تھی کہ بھارت اپنے اس فعل کو چھپانے کی خاطر اور اس کو مستقل اور پائیدار بنانے کے لئے پہلے تو رائے شماری کرانے کا وعدہ دہراتا رہا' اور بعد میں اس وعدے سے انحراف کرنے کے عزائم کو چھپانے کی خاطر معاہدہ دہلی دریافت کرنے پر بھی مجبور ہو گیا تھا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ معاہدہ دہلی کے چار برس بعد پاکستان میں بھی وزیراعظم چوہدری محمد علی کے دور میں دستور سازی کا کام مکمل ہو گیا۔ جس میں کشمیریوں کے لئے حق خود ارادیت کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۹۵۶ء کے دستور میں یہ صراحت کر دی گئی کہ آخر کار جموں وکشمیر کے الحاق کا سوال اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری کے ذریعے طے کیا جائے گا اور اگر باشندگان کشمیر نے اپنی رضاء و رغبت کے ذریعے پاکستان کے ساتھ شمولیت کا فیصلہ ہی دیا تو اس کے بعد بھی کشمیری عوام کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ اپنی ریاست اور پاکستان کے درمیان اپنی مرضی کے مطابق تعلقات کی دستوری ہیئت متعین کر سکیں گے یہ ان لوگوں کا فیصلہ تھا جن کو یہاں کے حکمران اور لیڈر ایک قدامت پسند نظام کے داعی کی گالی دے رہے تھے۔

معاہدہ دہلی وجود میں آجانے سے بھی وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کو چین نہ ملا' اب پرجاپریشد نے دہلی کی شہ پر جموں میں ہند کشمیر ادغام کے مطالبے کے حق میں ایک زبردست ایجی ٹیشن شروع کر دی اور لداخ کے بودھوں نے بھی " سری نگر کی بالادستی" کے خلاف احتجاج کیا ' اور وہ سری نگر سے علیحدہ ہو کر براہ راست مرکز کے کنٹرول میں جانے پر اصرار کرنے لگے۔ خود وادی کشمیر میں رائے شماری نوازیت کے رجحانات مضبوط تر ہو گئے سیاسی جبرو تشدد' بھوک' بے روزگاری اور حکومت کی غذائی

پالیسی کی وجہ سے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کے خلاف نفرت اور بیزاری کا لاوا خوب تیزی سے پکتا رہا۔

عبداللہ' آزاد مراسلت

جموں میں پرجاپریشد کی نومبر۱۹۵۲ء میں ایجی ٹیشن نے شیخ محمد عبداللہ کی بے چینی میں اشتعال کی کیفیت پیدا کر دی۔ چنانچہ نئی دہلی نے فی الفور کشمیری لیڈروں کو یقین دلایا کہ حکومت ہند کشمیری عوام پر کوئی فیصلہ نہیں ٹھونسے گی۔ وزیراعظم نہرو نے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کو مذموم قرار دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مراسلے میں شیخ محمد عبداللہ کو بتایا:

" ہندوستان اس امر کا اعلان کرنے کے لئے تیار ہے کہ کشمیر کا خاص درجہ مستقل قرار دیا جائے گا۔ اور حکومت ہند غیر مشروط طور پر اس کی پابندی کرے گی"۔

لیکن شیخ عبداللہ کو ان یقین دہانیوں سے کوئی تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے ۱۶ جولائی ۱۹۵۳ء کومولانا ابوالکلام آزاد کے مراسلے کا جواب یوں دیا:

" کاش اس قسم کا اعلان موزوں وقت پر کیا گیا ہوتا' تو اس نے لاریب ہمارے ہاتھ مضبوط بنائے ہوتے' اور عوام کی اکثریت نے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی تائید کی ہوتی۔ اب اس مرحلے پر آپ کے اعلان کے ذریعے وہ خدشات مٹائے نہیں جا سکیں گے' جو کشمیری عوام کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے ہیں "۔

۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو حکمران نیشنل کانفرنس کی ایک ریلے سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا:

"گذشتہ سال کے فرقہ وارانہ واقعات سے ہمارے تعلقات کی بنیاد متزلزل ہو گئی ہے۔ اس کے لئے ہم ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ جو ہندوستان میں ہم پر ادغام کے لئے جبر کر رہے ہیں۔"

نیشنل کانفرنس کی آٹھ رکنی کمیٹی کا فیصلہ

مئی ۱۹۵۳ء میں حکمران نیشنل کانفرنس کی آٹھ رکنی کمیٹی نے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے رائے شماری کی تجویزیں پیش کیں۔ کمیٹی' شیخ محمد عبداللہ' مولانا مسعودی' بخشی غلام محمد سردار بدھ سنگھ' غلام محمد صادق۔ پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ۔

شام لال صراف اور مرزا محمد افضل بیگ پر مشتمل تھی۔ مئی ۱۹۵۳ء میں جب نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس چل رہاتھا۔ وزیراعظم نہرو کشمیر آئے' اور آپ کو اس کمیٹی کی کارروائی سے آگاہ کیا گیا۔ جون ۱۹۵۳ء میں کمیٹی نے ریاست کے الحاق کے تنازعہ کے سلسلہ میں تصفیہ کی مختلف تجاویز کی مکمل چھان بین کرکے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے:۔

ا ۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ ریاست ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے گی یا پاکستان کے ساتھ یا خود مختار رہے گی۔ تمام ریاست میں جامع رائے شماری کرانا۔

ب ۔ تمام ریاست کو خود مختار رکھنا

ج ۔ خارجی امور اور دفاع پر مشترکہ کنٹرول رکھ کر سالم ریاست کو خود مختار رکھنا

د ۔ ڈکسن پلان کے تحت رائے شماری والے علاقہ کو خود مختار قرار دینا۔

اگرچہ اقوام متحدہ کی قرار داد نے رائے شماری کے ذریعے الحاق کو ہندوستان اور پاکستان تک ہی محدود کر دیا تھا۔ مگر مولانا محمد سعید مسعودی نے تیسری تجویز یعنی کشمیر کی خود مختاری پیش کر دی' جو باتفاق رائے منظور ہو گئی۔

مسٹر صادق نے رائے شماری کی تجویز کی مشروط تائید کی اور کچھ مبہم رویہ اختیار کیا۔ آپ نے رائے شماری کے ساتھ صرف اس صورت میں اتفاق کیا کہ اسے پانچ ہمسایہ ملکوں کی نگرانی میں عمل میں لایا جائے۔ اشتراکی روس اشتراکی چین۔ افغانستان۔ ہندوستان اور پاکستان۔ لیکن اس نے اپنے موقف پر یہ شرط عائد کی کہ موجودہ حالات میں اس طرح کی رائے شماری ممکن نہیں۔ بہرحال کمیٹی مندرجہ بالا تجویزوں پر متفق تھی۔ بخشی غلام محمد نے اس بات پر زور دیا کہ مندرجہ صدر چوتھی تجویز کو اولین ترجیح دی جائے "۔

لیکن مولانا مسعودی نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ترجیح کی جو ترتیب اوپر دی گئی ہے' برقرار رکھی جائے"۔

وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ نے زیادہ صراحت کے ساتھ اپنے دو سفارت کاروں ' مرزا محمد افضل بیگ اور بخشی غلام محمد کے ذریعے نئی دہلی کو الحاق ہند کے بجائے متبادل تجویزوں کا پیغام بھیجا۔ اپنے مراسلے میں شیخ محمد عبداللہ نے لکھا۔۔۔۔۔ " اب یہ آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کام ہے کہ آپ سنجیدگی سے ان کا جائزہ لیں' اور یہ

طے کریں کہ کیا ان کے ذریعے مسئلے کے جائز حل کی طرف رہبری ہوسکتی ہے ۔۔۔؟"

اگست ۱۹۵۳ء کے شروع میں شیخ عبداللہ نے یہ حیران کن اعلان کیا "بھارت کے ساتھ کشمیر کا ابتدائی الحاق کشمیر پر ٹھونسا گیا تھا۔ کیونکہ ہند کے ساتھ ریاست کے الحاق کے بغیر حکومت ہند نے ہماری مدد کرنے سے انکار کیا تھا"۔

شیخ عبداللہ کے عزائم اس وقت بے نقاب ہوئے ہوں گے جب اس نے ایک پاکستانی اخبار کے بعد کے ایک انکشاف کے مطابق اردو میں ایک تقریر تیار کی' اور ترجمے کے لئے نئی دہلی بھیج دی۔ پہلے سے تیار کئے گئے اس متن میں انہوں نے الحاق کی حیثیت پر اپنے نظریات کا اظہار کر دیا:

" اگرچہ تمام پہلوؤں سے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق مکمل ہے تاہم اس لحاظ سے یہ الحاق مشروط اور عارضی ہے کیونکہ عوام کو اس کی تصدیق کرنی ہے' لہٰذا یہ آخری نہیں ہے"۔

شیخ عبداللہ نے معاہدہ دہلی پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ:" یہ عبوری اور عارضی تھا"۔

اس سے بھی بڑھ کر وہ اچانک یہ ماننے کے لئے تیا ہو گئے کہ

" جغرافیائی لحاظ سے کشمیر کا محل وقوع اس امر کا تقاضا کررہا ہے کہ اس کی خوش حالی کا انحصار ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ تجارت پر ہے ' اس کے عوام مغربی پاکستان ' مشرقی پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے ساتھ کلچرل رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں' اس کے دریا اور راستے پاکستان کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کشمیر کا نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن راولپنڈی ہے۔ کشمیر کے تاجر کراچی کی بندرگاہ کو استعمال کرتے ہیں۔"

آپ نے پرجا پریشد جموں کی ایجی ٹیشن پر تنقید کی۔ " جسے ہندوستان سے مالی اور اخلاقی مدد مل رہی ہے"۔۔۔ اور اعلان کیا کہ " کشمیری مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی وعدوں پر اعتبار کر سکتے ہیں کس طرح ؟ "

انہوں نے یہ مان لیا کہ مسلمانوں پر نیشنل کانفرنس کی گرفت کسی حد تک ڈھیلی پڑ چکی ہے۔

" ہندوستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں غیر مسلموں کو نہیں بلکہ مسلمانوں

کو فیصلہ کرنا ہے کیونکہ غیر مسلم عوام کسی متبادل راہ پر سوچ نہیں سکتے تھے۔ مجھے ہندوؤں اور سکھوں کو یہ یقین نہیں دلانا ہے کہ ہندوستان میں ان کا مستقبل محفوظ ہے' کیونکہ یہ غیر ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مجھے غلط سمجھا گیا ہے۔ جب بھی میں نے مسلمانوں کے جائز حقوق کے حصول کے لئے کوشش کی ہے یا جب بھی میں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی صورت میں ان کے مستقبل پر اپنی رائے ظاہر کی' میرے دوستوں نے مجھے فرقہ پرست قرار دیا۔ لیکن ایک طرف سے جموں میں پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن نے مسلمانوں میں شکوک پیدا کئے ہیں' دوسری طرف سے مسلمانوں کا متوسط طبقہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اگر ایک طرف سے ہندوستان کے ساتھ الحاق نے ہندوؤں اور سکھوں کے لئے ترقی کے مختلف راستے کھولے ہیں' تو دوسری طرف سے مسلمان کنویں کے مینڈک بن گئے ہیں۔ حکومت ہند کے براہ راست کنٹرول میں کام کرنے والے محکموں میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی بہترین نمائندگی کی جانب کوئی پیش رفت نہیں ہوتی ہے' بلکہ اس نمائندگی میں الٹا تنزل واقعہ ہوا ہے"۔

شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر مندرجہ ذیل سوالات پر ختم کرنے کی کوشش کی۔

۱۔ "کیا بین الاقوامی صورتحال کی روشنی میں ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق میں کوئی تبدیلی لانے کا امکان نہیں۔۔۔۔؟

۲۔ کیا اس تعلق کے تحت ریاست کے تمام عوام مذہب اور کلچرل امتیازات کے بغیر یکساں قسم کے حقوق اور مواقع کا استعمال کریں گے؟

۳ کیا اس رشتے کو برقرار رکھتے ہوئے ان قدرتی اور جغرافیائی رکاوٹوں پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جن کا ریاست کو سامنا ہے۔ اور جو اس کی ترقی کی راہ میں مانع ہیں"۔

پولٹیکل کانفرنس کا قیام

۱۹۵۳ء کے غیر یقینی اور مخدوش ماحول میں' اگست سے پہلے ہی ایک اور واقعہ ہوا جس نے ریاست میں تحریک پاکستان کے لئے احیائے نو کی امیدوں کے چراغ جلائے یہ کشمیر پولٹیکل کانفرنس کا قیام تھا۔ نیشنل کانفرنس میں صف اول کے ایک لیڈر خواجہ غلام محی الدین قرہ نے اس تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے ۱۹۴۹ء میں ہی نیشنل کانفرنس سے استعفیٰ دیا تھا۔ اور اب ۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو موصوف نے سری نگر میں سید

یار کے مقام پر ہزاروں عوام کے ایک بھاری اجتماع میں "پاکستان زندہ باد" کا فطری رجحان دریافت کرلیا۔ اور رائے شماری کے ذریعے الحاق پاکستان کو پولٹیکل کانفرنس کی منزل قرار دیا۔ بانی صدر نے بعض سرکردہ ہندوؤں کو بھی اپنی پارٹی کی ورکنگ کمیٹی میں شامل کر لیا پولٹیکل کانفرنس نے حصول پاکستان کے علاوہ ایک سیکولر اور سوشلسٹ نظام کے قیام کو بھی اپنا نصب العین قرار دیا۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ گرفتار کر لئے گئے اور کئی برس بعد رہائی پر ان کے خیالات میں غیر معمولی تبدیلیاں آئی تھیں چنانچہ اب پارٹی نے حصول پاکستان کے بجائے ہند پاک دوستی کو اپنا مشن قرار دیا۔

اگست ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری اور محاذ رائے شماری کی تحریک کے آغاز کے بعد پولٹیکل کانفرنس وادی میں اپنے اثرورسوخ کا دائرہ زیادہ نہ پھیلا سکی۔ اہل کشمیر کو جن بنیادوں پر حق خودارادیت اور پاکستان کے ساتھ الفت وعقیدت تھی۔ پولٹیکل کانفرنس کے پالیسی ساز اس کو غیر ضروری اور غیر دل چسپ تصور کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ تنظیم اختلافات کا شکار ہو گئی۔ اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ وجود مٹ گیا' اور آخر کار اس کے بانی صدر نے ۱۹۷۷ء میں کشمیر میں جنتا پارٹی کا پرچم لہرایا۔ جس نے ان کو اور پیچھے دھکیل کر نیچے گرا دیا۔

شیخ عبداللہ کی معزولی

وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کے بیانات سے نہ صرف جموں' لداخ اور دہلی میں اشتعال پیدا ہوا بلکہ ان کی کابینہ کے تین ارکان نے بھی ان کے خلاف صدر ریاست کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کیا جس میں وزیراعظم پر مطلق العنانیت' جبروتشدد' بدنظمی اور پبلک ذرائع کے ناجائز استعمال' جموں اور لداخ میں غیر یقینی حالات پیدا کرنے اور ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات میں دوری اور تناؤ پیدا کرنے کے الزامات عائد کر دیئے گئے۔ صدر ریاست نے الزامات پر غور کرنے کے لئے حکومت کی ایک ہنگامی میٹنگ تجویز کی۔ لیکن شیخ عبداللہ نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ خود کشمیر کے دل فریب' صحت افزا گرمائی مقام گلمرگ چلے گئے۔ چنانچہ صدر کرن سنگھ نے ۹ اگست کو صبح سویرے شیخ محمد عبداللہ کو وزارت اعظمی کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اور بخشی غلام محمد اس عہدے کے لئے نامزد کئے گئے۔ ادھر گلمرگ میں صبح سویرے معزول وزیراعظم کو گرفتار کرکے وادی کشمیر سے باہر لے جا کر نظربند کیا گیا اور وادی کشمیر میں نئے اضطراب اور بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے جگہ جگہ پولیس اورفوج کے مسلح دستے پھیلا دیئے گئے۔ رائے شماری کی تحریک شروع کرنے کے لئے کشمیری عوام کسی بہانے کی تلاش میں تھے ہی کہ انہیں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری میں ایک وزن دار جواز ملا' اور وہ شہرو دیہات میں سڑکوں پر نکل آئے' اور رائے شماری کے موقف کے حق میں ایک عوامی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی' حکومت نے چند روز میں فوج اور پولیس کی پوری قوت کے ساتھ اس ایجی ٹیشن کو کچل ڈالا۔ بہت سے لوگ گولیوں سے مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہو گئے اور ایک اچھی خاصی تعداد جیل خانوں میں بھر دی گی۔ ریاست کے نئے وزیراعظم بخشی غلام محمد نے عوامی ایجی ٹیشن کو کچلنے کے بعد اپنے سیاسی مخالفین کو اپنے پیش رو کی طرح ہی دبانے کی کوشش کی' اور امن برگیڈ کا نام دے کر ایک نیم پولیس تنظیم کا جال بچھایا۔ جس نے پورے دس برس تک سول پوشاک پہن کر حریف سیاسی پارٹیوں' کارکنوں' ان کے حامیوں اور ہمدردوں کا جینا مشکل کر دیا۔ اور مردوں' عورتوں کی عزت و ناموس کے تحفظ' شہریوں کے بنیادی حقوق اور خزانہ عامرہ اور قومی دولت جیسی امانتوں کوخائنوں

اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں سے بچانے کے سوالات اس دور کے سب سے مشکل اور خوفناک مسائل بن گئے تھے۔ غرض نیشنل کانفرنس کی قیادت نے ۱۹۴۷ء میں جس نظام قہروجبر کی نیو رکھ دی تھی' وہی نظام بخشی غلام محمد کے عہد وزارت میں اپنے نقطہ ء عروج پر پہنچ گیا۔

علی' نہرو معاہدہ

وادی کشمیر کے تازہ ترین بحران اور عوامی ایجی ٹیشن نے سارے پاکستان میں جذبات میں آگ لگائی اور وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرا' وزیراعظم جواہر لعل نہرو کے ساتھ کشمیر کی صورتحال پر مذاکرات کرنے کے لئے فی الفور نئی دہلی پہنچ گئے۔ چہار روزہ مذاکرات کے بعد ۲۰ اگست کو ہند اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے تمام متنازعہ امور پر ایک مشترکہ اعلانیہ جاری کیا' جس میں کشمیر کا ذکر یوں کیا گیا:

" مسئلہ کشمیر پر خاص طور سے بات چیت ہوئی۔ یہ ان کی پختہ رائے ہے کہ عوام کی زندگی میں کم سے کم خلل پیدا کرتے ہوئے عوام کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کے لئے اسے عوام کی خواہشات کے مطابق حل کیا جانا چاہیے"۔

" ایک آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری عوام کی خواہشات معلوم کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ چند سال پہلے اس قسم کی رائے شماری کی تجویز کی گئی تھی' اور اس کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا لیکن بعض تمہیدی مسائل پر اتفاق رائے پیدا نہ ہونے کے باعث اس کی جانب کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

" اس سلسلے میں بعض ہم آہنگیوں پر پہنچنے کے لئے وزرائے اعظم نے اتفاق کر لیا کہ ان تمہیدی مسائل پر براہ راست غورو خوض کیا جانا چاہیے۔ ان معاہدات کو نافذ کیا جانا ہو گا' اور دوسرا اقدام رائے شماری کے ناظم کی تقرری ہو گا۔

" ایک قسم کا عارضی ٹائم ٹیبل مرتب کرنے کے لئے طے پایا کہ اپریل کے آخر تک رائے شماری کے ناظم کا تقرر عمل میں لایا جانا چاہئے ....."--- (ڈی ڈینجران کشمیر ۱۹۲-۱۹۳)

محاذ رائے شماری کا قیام

شیخ محمد عبداللہ کی غیر حاضری میں ۱۹۵۵ء میں ان کے دست راست اور وفادار

ساتھی مشیر مال مرزا محمد افضل بیگ نے جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالی۔ جس کی شاخیں آناً" فاناً" ساری ریاست خاص کر وادی کشمیر میں قائم ہو گئیں' اور ۱۹۷۵ء تک یہ جماعت رائے شماری چاہنے والے لاکھوں عوام کے لئے سب سے مضبوط اپوزیشن چٹان تھی۔ مرزا محمد افضل بیگ اس کے صدر رہے' اور شیخ عبداللہ اس کے روح رواں۔ لیکن خود موخر الذکر نے اس تنظیم کی رکنیت کبھی حاصل نہیں کی۔

شیخ محمد عبداللہ ۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو جیل سے رہا کئے گئے لیکن اسی سال ۲۹ اپریل کو وہ دوبارہ گرفتار کرکے نظر بند کئے گئے۔ رہائی کے اس مختصر سے عرصے میں انہوں نے کئی عوامی جلسوں میں حق خود ارادیت اور رائے شماری کی تحریک کے ارد گرد عوام کو منظم و متحد ہو جانے کی دعوت دی۔

۱۳ جولائی ۱۹۵۸ء کو درگاہ حضرت بل کے سٹیج سے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

" الحاق کے لئے رائے شماری کی شرط خود ہندوستان نے ہی رکھی ہے۔ اس وعدہ کو پورا کرنے کے بارے میں پنڈت جی' سردار پٹیل اور دوسرے رہنماؤں نے پارلیمنٹ میں سینکڑوں تقریریں کی ہیں۔ سلامتی کونسل میں اس کا اقرار کر لیا ہے کہ اس مسئلہ کا حل وہاں کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم چند آدمیوں کو یہ فیصلہ نہیں کرنا ہے۔ یہ حق چالیس لاکھ آدمیوں' ہندوؤں مسلمانوں' سکھوں اور عیسائیوں کو دیا گیا ہے۔ سلامتی کونسل میں اس اصول کو ہند اور پاکستان دونوں نے تسلیم کر لیا ہے "۔

عبداللہ نے عوام کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ:

" اگر تم میں جذبہ حق ہے اور خون میں گرمی ہے تو آزادی کو کسی بھی قیمت پر فروخت کرنے کے لئے تیار نہ ہو"۔

آپ نے مزید کہا کہ۔۔۔۔۔۔ " الحاق وہی مضبوط ہو گا جو لوگ دل سے کریں' چاول' فوج اور روپے وغیرہ سے دل خریدے نہیں جا سکتے"۔

۱۷ جنوری ۱۹۵۸ء کو پھر حضرت بل کے آستانے پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ:

جہاں تک رائے شماری کا تعلق ہے یہ کوئی نیا نعرہ نہیں ہے آج اگر شیخ محمد عبداللہ یہی کہہ رہا ہے کہ ریاست کے مستقبل کے بارے میں ان وعدوں کو پورا کیا

جائے' اور ریاست کے عوام کی رائے دریافت کی جائے تو وہ کونسا گناہ کر رہا ہے۔ یہ تو عوام کے ساتھ ایک وعدہ ہے جس کو پنڈت جی اور ہندوستان کے دوسرے رہنما بار بار دہرا چکے ہیں"۔

میں کھلے لفظوں میں تسلیم کرتا ہوں کہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء تک جو کچھ ہوا اس کے لئے میں ذمہ دار ہوں ان سب باتوں کے باوجود رائے شماری کا وعدہ ہم نے ہمیشہ قائم رکھا' اور جو اقدامات کئے گئے وہ سب رائے شماری اور عوام کے فیصلے کے تابع کئے گئے۔ اس لئے آج رائے شماری کا مطالبہ گذشتہ اقدامات کے عین مطابق ہے..."

" جب میری گرفتاری کے بعد پاکستان اور ہندوستان کے وزرائے اعظم نے نئی دہلی میں کئی روز تک کشمیر کے مسئلے پر بات چیت کی' اور اس کے بعد اعلان کیا کہ دونوں رائے شماری اور کشمیریوں کے فیصلہ کو ہی بطور حل قبول کرتے ہیں تو بخشی غلام محمد نے ۲۲ اگست کو یعنی میری گرفتاری کے دس دن بعد ہند اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے رائے شماری ہی کو کشمیر کے سوال کا حل قرار دیا"

" رائے شماری اور حق خودارادیت کا سوال کوئی نیا فیصلہ نہیں ہے۔ یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ ہر ایک اپنے گھر کا آپ مالک ہے' اور جو فیصلہ وہ کرتا ہے وہ صحیح اور درست تصور کیا جاتا ہے۔ شری کرشنا مینن لاکھ تقریریں کریں' لیکن ان تقریروں سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ عوام کی جدوجہد جاری رہے گی "۔

۷ فروری ۱۹۵۸ء سری نگر کی تاریخی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے شیخ عبد اللہ نے جو کچھ کہا اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

" کہا جا رہا ہے کہ کشمیریوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ صادر کر دیا ہے اور کشمیر ہند کا اٹوٹ حصہ بن گیا ہے لیکن میں اس کی تردید کر رہا ہوں' اور کہہ رہا ہوں کہ کشمیر کا کوئی فیصلہ تاحال کشمیری عوام نے صادر نہیں کیا ہے' اور نہ ان کو ابھی تک فیصلہ صادر کرنے کا کوئی موقعہ ہی ملا"۔

" بخشی صاحب جیسے ذمہ دار اشخاص تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ۱۹۵۱ء میں اسمبلی کا انتخاب ہی رائے شماری تھی ایسی نامعقول باتوں کا جواب دینا تو اپنا وقت ضائع کرنا ہے اگر بخشی صاحب یہ بات ایمان داری سے کہتے ہیں کہ ۱۹۵۱ء میں اسمبلی کا انتخاب رائے شماری کا نعم البدل تھا' تو میری گرفتاری کے بعد ۱۹۵۳ء میں وہ رائے

شماری کے اس اعلان کا خیر مقدم کیوں کر رہے تھے' جو ہندو پاکستان کے وزرائے اعظم کے مشترکہ دستخطوں سے شائع ہوا تھا"۔

" رائے شماری ریاست کشمیر کے عوام کا ایسا حق ہے جس کو بہانہ یا حجت بازیوں اور طاقت کے بل بوتے پر ٹالا نہیں جا سکتا میری سب لوگوں سے اپیل ہے کہ وہ کشمیر کے جھگڑے کو آخری بار طے کرنے کا موقعہ یہاں کے عوام کو دیں۔ عوام ہی سب سے بڑی عدالت ہیں' اور عوام کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہو سکتا ہے "۔

(آواز حق)

شیخ عبداللہ کشمیر سازش کیس میں

اپریل ۱۹۵۸ء میں وہ دوبارہ گرفتار کر لئے گئے اور ان کے خلاف کشمیر سازش کیس کے تحت مقدمہ شروع کیا گیا' اس مقدمہ کی کارروائیوں میں بھی اپنے اور اپنے رفقاء کے بیانات کے ذریعے انہوں نے حق خودارادیت کے مسمہ بین الاقوامی اصول اور تنازعہ کشمیر کی بین الاقوامی حیثیت پر زور دیا استغاثہ کی بحث کا مختصر جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

"کشمیر ایک بین الاقوامی سوال ہے۔ یہ ہندوستان کا اندرونی سوال نہیں ہے جیسا کہ بعض حلقوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے' اس لئے اس سلسلے میں کوئی بھی یکطرفہ فیصلہ بین الاقوامی قانون کی نظر میں وقعت نہیں رکھے گا اور نہ فریقین اس کو ماننے کے پابند ہوں گے۔ کشمیر کے متعلق جو معاہدے یا ذمہ داریاں قبول کی گئیں اور جو وعدے عوام سے کئے گئے وہ کسی ایک فرد کی سیاسی خواہش کا نتیجہ نہ تھے۔ جیسا کہ وکیل استغاثہ نے کہا ہے بلکہ وہ وعدے حکومت ہند کی طرف سے اس کے وزیراعظم نے کئے تھے اور وہ وعدے ملک کی پارلیمنٹ' جو عوام کے اقتدار اعلیٰ کی مظہر ہے۔ کی مرضی سے اور اس کی پوری حمایت سے کئے گئے تھے۔ اظہار حق صفحہ ۲۰ رپورٹ ۱۹

کشمیر سازش کیس کے ایک اور ملزم کی حیثیت سے مرزا محمد افضل بیگ کی بحث کا اقتباس بھی نوٹ کیجئے:

"گذارش ہے کہ میں نے محاذ رائے شماری جموں و کشمیر کی بنیاد ۱۹۵۵ء میں ڈالی ہے۔ اس تنظیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ کشمیری عوام کے لئے پرامن ذرائع سے

حق خود ارادیت کا استعمال رائے شماری سے ہو' تاکہ ریاست کا الحاق حتمی طور پر ہند یا پاکستان کے ساتھ ہو جائے' جو سو فی صدی حکومت ہند کی ذمہ داریوں اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے عین مطابق ہے۔ جو وقتاً" فوقتاً" پاس ہوتی رہی ہیں "۔

" ہندوستان کی حکومت کا ۹ اگست ۱۹۵۳ء تک کشمیر کے جھگڑے کے متعلق کیا رویہ تھا۔ اس کے متعلق تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں' ۹ اگست ۵۳ء کے بعد بھی آج تک اخبارات کے ذریعے جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ باوجود شورو غل آج تک حکومت ہند یا اس کے کسی نمائندے نے یہ نہیں کہا کہ وہ سیکورٹی کونسل کی پاس کردہ تجاویز ۱۳ اگست ۴۸ء اور ۵ جنوری ۴۹ء کی پابند نہیں ہے۔ اور تو اور شری کرشنا مینن بھی ان تجاویز سے انکار نہ کر سکے۔ اور انہیں بھی سیکورٹی کونسل سے کہنا پڑا کہ حکومت ہند نے کب ان دو تجاویز سے انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا معاملہ ابھی تک ایک کھلا سوال ہے' جب صورت ایسی ہو تو اصول کی خاطر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ریاست کا کوئی باشندہ یہ رائے رکھتا ہو کہ اس کے وطن کی بہتری اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پاکستان کا ایک حصہ بن جائے تو اس میں کیا جرم ہے یا دوسری صورت میں اگر کسی باشندہ ریاست کا یہ خیال ہو کہ اس کے وطن کی بہتری اس بات میں مضمر ہے کہ یہ ہند کا ایک حصہ بن جائے تو اس میں کیا جرم ہے یا تیسری صورت میں اگر کوئی باشندہ ریاست یہ خیال رکھتا ہو کہ اس کے وطن کی بہتری اس بات میں ہے کہ یہ دونوں ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ رابطہ رکھے تو وہ کس جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے جس قانون کے ساتھ سارے برصغیر نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی' اس قانون کی رو سے ہند کی ریاستوں کو یہ تینوں متبادل صورتیں پیش کی گئی تھیں ..... جناب والا! میں کوئی قانون دان نہیں ہوں لیکن قانون دان حضرات سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی قانون ہے جس کی رو سے یہ جرم قرار دیا گیا ہو کہ کوئی باشندہ ریاست اپنے وطن کے مستقبل کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو' اور اس رائے پر دوسروں کو بھی آمادہ کرتا ہو کہ اس کا وطن پاکستان کا حصہ بن جائے۔ میرے ناقص علم میں ایسا کوئی قانون نہیں اور ہندوستان کے قول و قرار کے پیش نظر یہ بات جرم ہو ہی نہیں سکتی۔"

شیخ عبداللہ کا ایک بیان

۱۷ فروری ۵۸ء کو شیخ محمد عبداللہ کا ایک بیان بہ یک وقت سرینگر اور دہلی کے اخبارات میں چھپا۔ اس کے ضروری اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

"میرے بدخواہ مجھے اس معاملہ میں قصور وار گردانتے ہیں کہ میں آئین ساز اسمبلی کے فیصلے کو قطعی کیوں نہیں تسلیم کرتا ہوں' اس سلسلے میں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ بھارتی حکومت نے خود الحاق کے معاملے میں آئین ساز اسمبلی کے فیصلے کو قطعی نہیں مانا ہے۔ سرِ بی' این راؤ نے سکیورٹی کونسل میں بھارت کے نمائندے کی حیثیت سے ۹ مارچ ۵۱ء کو کہا تھا کہ میری حکومت کا یہی نظریہ ہے البتہ آئین ساز اسمبلی اس سوال پر خواہ جو جی چاہے اظہار کرے مگر اسے اس سلسلے میں کسی فیصلے کا اختیار نہیں ہے۔" پھر ۲۹ مارچ ۵۱ء کو انہوں نے کہا کہ اگر آئین ساز اسمبلی اس سوال پر کوئی رائے دینا چاہے تو اسے طبعی طور پر کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن یہ رائے میری حکومت پر نہ تو کوئی فرض عائد کرتی ہے نہ ہی سکیورٹی کونسل کی کارروائی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ نتیجتاً" سکیورٹی کونسل نے ۳۰ مارچ ۵۱ء کو ایک قرارداد منظور کی' جس کے ابتدائی حصے یہ ہیں۔" یہ جانتے ہوئے کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں کی بہت سی باتیں تسلیم کی ہیں اور یہ بات مان لی ہے کہ ریاست کے مستقبل کا سوال اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقے پر غیر جانبداری اور آزادی سے حل ہو گا اور یہ مشاہدہ کرتے ہوئے کہ ۲۷ اکتوبر ۵۰ء کو آل جموں اینڈ کشمیر نیشنل کانفرنس" کی جنرل کونسل نے ایک قرار داد منظور کی تھی' جس کی رو سے اس مقصد کے لئے ایک مجلس دستور ساز تشکیل دی گئی تھی تاکہ وہ ریاست کے مستقبل اور الحاق کا فیصلہ کرے۔ ذمہ دار ہستیوں کے بیانات سے مزید یہ بات جانتے ہوئے کہ جس علاقے سے اس مجلس دستور ساز کا انتخاب ہو گا' وہ فقط ریاست جموں و کشمیر کی ہی ہو گی" اس لئے متعلقہ حکومتوں اور افسروں کو سکیورٹی کونسل کی ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء' ۳ جون ۱۹۴۸ء اور ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کی قرار دادیں اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاکستان کی ۱۳ اگست ۴۸ء اور ۵ جنوری ۴۹ء کی قراردادوں کے اصول یاد دلاتے ہوئے کہ ریاست جموں وکشمیر کا قطعی فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقوں سے وہاں کے عوام کی خواہشات کے مطابق ایک آزاد اور غیر

جانب دار استصواب رائے سے ہو گا"۔ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ آل جموں اینڈ کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کی سفارشات سے معرض وجود میں آنے والی مجلس دستور ساز اور اس مجلس کا ریاست کے مستقبل اور اس کے سارے یا کسی حصے کا الحاق کرنے کا فیصلہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق ریاست کے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ قطعی نہیں ہو گا"۔ ۱۹۵۰ء میں اس موضوع پر بھارتی پارلیمان میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پنڈت نہرو نے ریاست کے الحاق کے متعلق کشمیر کی مجلس قانون ساز کے فیصلے کو غیر قانونی قرار دیا تھا' اور کہا تھا کہ اس سے کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی تنازعہ حل نہیں ہو سکتا..... تب ایک وقت ایسا آیا کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے بلا واسطہ گفت و شنید سے جھگڑا طے کرنے کی کوشش کی۔ مئی ۵۳ء میں ہم نیشنل کانفرنس کے اراکین سے کہا گیا کہ ہم بھی اس مسئلے کے حل کے لئے مختلف تجویزیں پیش کریں۔ ۹ جون ۱۹۵۳ء کو نیشنل کانفرنس کی ایک چوٹی کانفرنس نے متفقہ طور پر مندرجہ ذیل فیصلے منظور کئے' اور پنڈت نہرو کو بھیج دیئے گئے۔

ا۔ پوری ریاست میں رائے شماری

ب۔ ساری ریاست کی آزادی

ج۔ ساری ریاست کی آزادی مگر خارجی امور اور دفاع بھارت پاکستان کے ہاتھ میں ہو۔

د۔ ڈکسن کی تجویز' لیکن استصواب رائے والا علاقہ آزاد ہو۔

بخشی غلام محمد صاحب اس بات کی پرزور حمایت کرتے تھے کہ اس تجویز کو سر فہرست رکھا جائے۔ اور اسے تنازعے کا باعزت اور قابل عمل حل سمجھا جائے۔ لیکن مولانا مسعودی کا خیال تھا کہ تجویزوں کی یہی ترتیب صحیح ہے' اور یہی برقرار رکھی جائے۔۔۔۔۔ بدقسمتی سے بھارت کے کرتا دھرتا ان تجویزوں کی قدر و قیمت سراہ نہ سکے۔ اور بات آگے نہ بڑھ سکی"۔

اپنی رہائی کے بعد ایک روز جامع مسجد سری نگر میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

رہائی کے بعد ہندوستان کے وزیروں' لیڈروں اور یہاں کے مخالف دوستوں کے اعتراضات میں دھمکی اور تلخ نوائی کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ ہند سے کشمیر کے الحاق کے بارے میں سب کچھ شیخ محمد عبداللہ نے ہی کیا تھا۔ اسی نے اسمبلی بنوائی اور دہلی کا معاہدہ کیا۔

۹ اگست ۱۹۵۳ء تک میں نے جو اقدامات کئے مجھے ان سے انکار نہیں۔ لیکن یہ سب باتیں رائے شماری کے تابع تھیں۔ کسی بھی اقدام کا مقصد یہ نہ تھا کہ رائے شماری نہیں ہو گی۔ الحاق کو عارضی تسلیم کر لیا گیا تھا' اور رائے شماری کی شرط پر تمام اقدامات ہوئے تھے۔ جب بھی کوئی بات ہوتی تھی۔ اسی شرط کو مقدم سمجھا جاتا تھا"۔

۵ مارچ ۱۹۵۸ء کو رعنا واری کے ایک جلسہ عام میں شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

" ایک موقعہ پر میں نے کونسل میں کشمیر کا نکتہ نگاہ پیش کیا اور دنیا کی اقوام کے نمائندوں کی اس مجلس کے سامنے میں نے یہی بات کہی کہ کشمیر کے الحاق کا معاملہ عوام کی رائے سے طے ہو گا۔ کیونکہ یہ ابتداء سے ہی طے شدہ امر تھا۔ آگے چل کر ہند اور پاکستان دونوں نے اس اصول کو اتفاق رائے سے تسلیم کر لیا' اور رائے شماری کا اصول فریقین کے درمیان ایک مسلمہ اور متفقہ مسئلہ ہے۔ آخر میں بحث صرف اس بات پر رہ گئی تھی کہ ریاست کے اندر ائے شماری کے وقت دونوں ملکوں کی مسلح طاقت کا توازن کیا ہو' اور آج تک یہی ایک مسئلہ ہے جو طے نہ ہوا"۔

درگاہ حضرت بل میں عہد

۲۱ فروری ۱۹۵۸ء کو معراج النبیؐ کی تقریب کے بعد آنے والا جمعہ تھا اور شہرو دیہات سے اڑھائی لاکھ کے قریب مسلمان حضرت بل میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جمع ہوئے تھے۔ سوا دو گھنٹے تک ایک طویل تقریر کرنے کے بعد آپ نے عوام کے سامنے ایک تحریری تجویز رکھی' اور ان سے کہا کہ اگر انہیں تجویز کے ساتھ اتفاق ہے تو زبان سے ہاں کہیں اور اپنے یقین پر خدا کو گواہ بناتے ہوئے ہاتھ بلند کریں۔ تجویز کا کشمیری ترجمہ اور اس کی تشریح شیخ عبد اللہ سے سننے کے بعد جلسے میں ہاتھوں کے جنگل بلند ہوئے اور پرجوش نعروں کے درمیان یہ تجویز قبول ہوئی۔

" ریاست جموں و کشمیر کے آئندہ تعلقات کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے کا حق اس ریاست کے عوام کو ہی حاصل ہے' اور فیصلہ لینے کی منصفانہ صورت یہ ہے کہ ریاست کے عوام کو اپنا حق خود ارادیت غیر جانبدار بین الاقوامی نگرانی میں ایسے مسلمہ جمہوری طریقے سے استعمال کرنے کا موقعہ دیا جائے جس پر متعلقہ فریق اتفاق کر چکے ہیں' یا دوسرا جو طریقہ متعلقین کے لئے قابل قبول ہو"۔

اس کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ اس تجویز کی تائید پر

ثابت قدم رہنے کے لئے آج کے متبرک روز اس متبرک مقام پر میرے ساتھ حلف اٹھائیں' آپ نے حسب ذیل حلف نامہ اردو میں پڑھا اور اس کا کشمیری زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ عوام نے بالاتفاق اور جوش و خروش کے ساتھ اسے بھی قبول کر لیا۔

" کشمیر کے عوام کا یہ عظیم اجتماع آج اس متبرک دن' آثار شریف حضرت بل کے مقدس مقام پر حریت و آزادی کی راہ میں قربانی پیش کرنے اور آزادی کی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے اُس عہد کی تجدید کرتا ہے' جو ۲۷ سال قبل خانقاہ معلیٰ کے صحن پاک میں لیا گیا تھا۔ اور اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کا آخری فیصلہ تاحال نہیں ہو پایا ہے اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسمبلی کے ذریعے انہوں نے الحاق کی تکمیل کی ہے۔ وہ اپنی حد سے تجاوز کرکے غلط بیانی کا ارتکاب کررہے ہیں۔

..... ہم اس یقین اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ کشمیر کے الحاق کا آخری فیصلہ وہی ہو گا جو حق خود ارادیت کا استعمال کرکے ریاست کے عوام اندرونی اور بیرونی دباؤ سے آزاد رہ کر جمہوری طریقے سے صادر کریں گے' ہم حلف اٹھاتے ہیں کہ عوام کے اس حق کو حاصل کرنے کے لئے ہم اپنی پرامن اور مسلسل جدوجہد منظم طریقے سے جاری رکھیں گے۔ اور اس راہ میں کوئی ممکنہ قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کریں گے "۔

ریفرنڈم اور رائے شماری کا فرق

آپ نے کشمیر سازش کیس' کی سماعت کے دوران' اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اور مسئلہ کشمیر کی بین الاقوامی حیثیت کے حق میں اپنے دلائل کو اس طرح پیش کیا:

" اول یہ کہ کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ یہ ہندوستان کا اندرونی مسئلہ نہیں ہے۔ جیساکہ بعض حلقوں میں غلط خیال پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کوئی بھی یک طرفہ فیصلہ بین الاقوامی قانون کی نظر میں نہ وقعت رکھے گا' اور نہ متعلقہ فریقین اس کو ماننے کے پابند ہوں گے۔ دوم یہ کہ کشمیر کے سلسلے میں جو معاہدے یا ذمہ داریاں قبول کی گئیں' اور جو وعدے عوام سے کئے گئے کہ وہ کسی ایک فرد کی سیاسی خواہش کا نتیجہ نہ تھے جیساکہ وکیل استغاثہ نے کہا ہے بلکہ وہ

وعدے حکومت ہند کی طرف سے اس کے وزیراعظم نے کئے تھے اور وہ وعدے ملک کی پارلیمنٹ نے جو عوام کے اقتدار اعلیٰ کی مظہر ہے' کی مرضی سے اور اس کی پوری حمایت کے ساتھ کئے گئے تھے"۔

" عوام کو جنہیں موجودہ جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ کا مالک مانا جاتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں یہ دو ہتھیار ہیں۔ ریفرنڈم کے تحت کسی متنازعہ قانون یا معاملہ کو عوام کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ انہیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ آیا وہ اس کے حق میں ہیں یا اس کے خلاف' رائے شماری کا مفہوم وسیع تر ہے اور اس کو اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کچھ بنیادی تبدیلیاں مثلاً دو آزاد اور خودمختار ممالک کے درمیان علاقائی ردوبدل کرنا مقصود ہو' ایران میں ڈاکٹر مصدق کی وزارت عظمیٰ کے دوران ابادان پیٹرولیم کمپنی کو قومی ملکیت قرار دیا گیا تھا اس سلسلے میں وہاں ریفرنڈم کر دیا گیا تھا۔ رائے شماری کی مثالیں ہمیں سار' منگولیا' کیمرون اور افریقہ کی دوسری ریاستوں میں ملتی ہیں۔ جہاں علاقائی ردوبدل رائے شماری سے کر دیا گیا ہے "

وائٹ پیپر کی اشاعت

اگست ۱۹۶۴ء میں جموں وکشمیر محاذ رائے شماری نے ۲۴ صفحات پر ایک قرطاس ابیض جاری کیا جس میں مسئلہ کشمیر کے وجود' ہند کے ساتھ عارضی الحاق' دفعہ ۳۷۰ اور دوسرے متعلقہ اقدامات کا تفصیلی جائزہ' تاریخی تواتر اور قانونی پہلوؤں سے لیا گیا' اس کے علاوہ قرطاس ابیض میں اُن لوگوں کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا جو یہ کہتے پھرتے تھے کہ " ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق مکمل ' حتمی اور ناقابل تنسیخ ہے " ۔ اور کشمیر کو ہند سے الگ ہو جانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور نہ پارلیمنٹ ہی کو علیحدگی کی منظوری دینے کا اختیار ہے "۔

محاذ رائے شماری نے قرطاس ابیض میں تمام امور کا تجزیہ کرکے آخر میں اپنے اس موقف کا اعادہ کیا کہ ہندوستان کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر کا الحاق بالکل عارضی نوعیت کا ہے۔ یہ الحاق مکمل' آخری اور ناقال تنسیخ نہیں ہے۔

۲۱ مارچ ۶۰ء کو جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ نے ایک قرار داد کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے رائے شماری پر اپنے ایمان و ایقان کا پھر سے اظہار کیا۔ قرار داد میں کہا گیا کہ رائے شماری کے ذریعے ہی مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے

لئے حل کیا جا سکتا ہے۔ اور صرف اسی طریقے سے مسئلہ کے فریقین کے مابین مفاہمت و خیر سگالی کے جذبات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

۲۱ جولائی ۱۹۶۵ء کو محاذ رائے شماری کا ایک خصوصی کنونشن منعقد ہوا' جس میں اور باتوں کے علاوہ محاذ نے ایک قرار داد پاس کروا کے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ ریاست کی دیگر تنظیموں کے شانہ بشانہ ریاستی عوام کے لئے حق خود ارادیت کی جدوجہد کو جاری رکھے گا۔ تاکہ کشمیر کا پریشان کن سوال حل ہو کر ہند اور پاکستان کے درمیان دائمی دوستی اور مفاہمت پیدا ہو' جو ریاستی عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کی آئینہ دار ثابت ہو"۔